یعنی

مجموعۂ انتخاب کلام مولوی محمد نصیر الدین صاحب علوی مرحوم (ایم اے ال ال بی)

منصفِ علی گڑھ

مرتبۂ

سید ظہیر الدین احمد علوی

ایم اے (اردو) ایم اے (فارسی) ال ال بی (علیگ)

شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

۱۳۵۹ھ ۱۹۴۰ء

شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ میں چھپا

فہرست مضامین

انتساب

آنریبل ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان ایم اے، ال ال ڈی،
جج فیڈرل کورٹ دہلی، وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

سے

بھائی مرحوم کو جو محبت و عقیدت تھی اور جس کی ترجمانی ایک خاص موقع پر مرحوم نے ذیل کے قطعہ میں کی تھی ؎

مجھ سے کیا وصف ہو اے عادلِ دوراں تیرا　　ہے سرِ عالمِ انصاف پہ احساں تیرا
تا سلیماں سے رہے فرقِ نبوت کا لحاظ　　اس لئے نام ہے سر شاہ سلیماں تیرا

لہٰذا

یہ مجموعہ کلام "یادگارِ نصیر" بصد خلوص و ادب اسی نامِ نامی سے معنون کرتا ہوں

ظہیر علوی

بھائی صاحب مرحوم کی ہستی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ اپنی ہردل عزیزی کے باعث کافی شہرت کے حامل تھے۔ مرحوم کے احباب کا دائرہ نہایت وسیع تھا دورانِ ملازمت میں جہاں جہاں رہے عوام و خواص نے آپ کی بڑی قدر و منزلت کی۔ عوام طبقۂ حکام سے زیادہ تر خائف رہا کرتے ہیں لیکن بھائی مرحوم کا برتاؤ ہر کس و ناکس سے کچھ ایسا تھا کہ بجائے خوف کے ان کے لیے ہر شخص محبت کا خزانہ اپنے دل میں محسوس کرتا تھا۔ چوں کہ ان کے اور احباب نے اپنے اپنے مضامین میں بھائی مرحوم کے اخلاق و عادات پر کافی روشنی ڈال دی ہے اس لیے میرا خیال ہے کہ میرے لیے اس کا اعادہ کرنا غیر ضروری ہے صرف چند خصوصیات کا ذکر کروں گا جو مجھ سے متعلق ہیں۔

بھائی بھائی کی محبت تو زمانے میں مشہور رہی ہے لیکن میں بیان نہیں کر سکتا کہ انھیں میری محبت کس درجہ تھی میری بہت ہی معمولی علالت و پریشانی کا

اگر انھیں علم ہو جاتا تھا تو پھر ہیں چاہے کہیں ہوتا وہ ضرور پہنچ جاتے، میری ادنیٰ تکلیف بھی ان سے دیکھی نہ جاتی تھی اور اپنی تکالیف کا محض میری پریشانیٔ خاطر کے باعث مجھ سے ذکر کرنا تو وہ ایک گناہ سمجھتے تھے۔ اپنے اعزا و احباب کی دل شکنی وہ کبھی گوارا نہ کرتے تھے۔ کشمیر کا آخری سفر بھی محض احباب کے اصرار پر کیا اور صرف اس خیال سے کہ ان کی تفریح میں خلل نہ پڑے اپنے اوپر ہر طرح کی تکالیف برداشت کیں مگر واپس آنا گوارا نہ کیا مرض کی شدت کی بھی پروا نہ کی اور وہاں سے اس قدر علیل واپس آئے کہ باوجود بہتر سے بہتر علاج کے بھی جاں بر نہ ہو سکے۔ بھائی صاحب مرحوم کو اپنی موت کا یقین پہلے ہی ہو چکا تھا اور اسی لیے اکثر اشخاص سے جو عیادت کے لیے آتے تھے اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا کرتے تھے لیکن مجھ سے اس لیے کچھ نہ کہتے کہ مجھے تکلیف ہوگی۔ غالب کا یہ شعر آخر زمانے میں زیادہ وردِ زباں رہتا ہے

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام   ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

کرب و بے چینی کی وجہ سے نیند کم آتی تھی، اکثر تمام رات مختلف مناجاتیں جو زبانی یاد تھیں یا قرآن پاک کی سورتیں پڑھتے رہتے تھے۔ میڈیکل کالج لکھنؤ کی قانونی سختیوں اور پابندیوں کے باوجود بھی عیادت کرنے والوں کا سلسلہ آمد و رفت منقطع نہ ہوتا تھا۔ دماغ آخر وقت تک ماؤف نہ ہوا تھا۔ انتقال سے

تین گھنٹے قبل تک ان اعزا سے جو وہاں موجود تھے سکون و اطمینان کی باتیں
کرتے رہے۔ دفعتاً قلب کی حرکت بگڑی تو پھر بگڑتی چلی ہی گئی اور چند ہی
گھنٹوں میں روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن
میّت بسواری لاری جون پور لے جائی گئی اور قبرستان خانقاہِ رشیدیہ
واقع رشید آباد (جون پور) میں سپردِ خاک کی گئی۔ میں جناب الحاج مولانا شاہ
شاہد علی صاحب قبلہ سبز پوش سجّادہ نشین خانقاہ رشیدیہ کا شکر گزار ہوں کہ
موصوف نے اپنے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔

اس موقع پر مجھے ایک خاص واقعہ یاد آگیا ہے۔ انتقال سے ایک سال قبل
بھائی صاحب مرحوم میرے اور چند اعزا کے ساتھ حسب دستور جون پور میں
بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ پڑھنے کے لیے نکلے۔ قبرستان خانقاہ رشیدیہ میں
پہنچ کر وہاں کی صفائی اور دل کشی سے متاثر ہو کر بے اختیار فرمانے لگے:
"کیا اچھا قبرستان ہے یہاں تو رہنے کو جی چاہتا ہے۔" گویا مرحوم کی روح نے
ایک سال قبل پیشین گوئی کی تھی جو صادق آئی۔

بھائی مرحوم کے پس ماندگان میں پانچ لڑکے، تین لڑکیاں اور ایک بیوہ
ہیں جو میرے ہمراہ علی گڑھ میں ہیں اور بچے تعلیم پا رہے ہیں۔

بھائی مرحوم کے احباب کے اصرار اور ان کے کلام کی جو کہ ان کی روحانی
یادگار ہے حفاظت اور اس خیال سے بھی کہ اس کے فروخت سے بچوں کے لیے

کچھ پس انداز ہو جائے گا، میں نے ایک اسکیم بھائی مرحوم کے مخصوص احباب کے سامنے پیش کی کہ اگر وہ مشترکہ طور پر کلام کے طباعت کے اخراجات اپنے ذمہ لے لیں اور اپنے حصّے کی رقم بطور قرض حسنہ پیشگی روانہ کر دیں جو بعد فروخت دیوان واپس کر دی جائے گی تو اس کے شائع ہونے میں کوئی دقّت پیش نہ آئے گی۔ مجھے اس امر کے اظہار میں نہایت خوشی ہے کہ جن جن حضرات کو میں نے اس طرف متوجہ کیا انھوں نے رقوم بھیج کر میری ہمّت افزائی کی۔ چنانچہ میں نے ان کے تمام کلام کو جو دستیاب ہو سکا فراہم کیا اور اس میں سے انتخاب کر کے یہ مجموعہ طبع کرایا ہے کیوں کہ اگر بھائی مرحوم کا تمام کلام شائع ہوتا تو بہت ضخیم ہو جاتا جس کی طباعت میں ایک کثیر رقم کی ضرورت ہوتی اور خریداروں کے لیے قیمت بار ہوتی، اس لیے صرف انتخاب پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔ غزلیات کے علاوہ جن کی تعداد قریب چار سو کے ہے، سیکڑوں نظمیں مخصوص مواقع کے لیے بھائی مرحوم نے لکھیں مثلاً: الوداعی، خیر مقدم، سہرا، نعتیہ، قصائد وغیرہ۔

بھائی مرحوم کو تاریخ گوئی میں بھی کافی ملکہ تھا اور ہزار ہا تاریخیں کہیں، ان سب کے چیدہ چیدہ نمونے اس انتخاب میں شامل کئے گئے ہیں۔

اس تدوین کے سلسلے میں جناب ولی الدین صاحب شفیق جون پوری کی خدمات نہایت قابلِ قدر ہیں۔ آپ نے دو ماہ مسلسل محنت کر کے اس منتشر

شیرازہ کو ردیف وار نقل کیا اور کتابت کے بعد مولانا سید علی احسن صاحب احسنؔ مارہروی نے اس مجموعے پر نظرِ ثانی کی اور اپنا کافی عزیز وقت اس کی خدمت میں صرف کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ میرے پاس الفاظ نہیں جن سے میں ان دونوں حضرات کا شکریہ ادا کرسکوں۔ بھائی صاحب مرحوم کو بھی جناب شفیقؔ جون پوری سے بے حد محبّت تھی۔ سفر کشمیر میں بھی آپ کو جون پور سے طلب کر کے اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔ شفیقؔ صاحب اپنی تنک مزاجی کے باعث اکثر ناراض ہوجایا کرتے تھے مگر بھائی مرحوم نے ہمیشہ ان کے ناز اُٹھائے اور یہی وجہ ہے کہ شفیقؔ صاحب اب تک ان کے لیے بے چین ہیں جس کا ثبوت ان کی نظم "نصیر الدین علوی آؤ آؤ" ہے جو اس انتخاب میں شامل ہے۔

حضرت نوحؔ ناروی اور مولانا احسنؔ مارہروی سے بھی گہرے تعلقات تھے اور یہ حضرات ان پر ہمیشہ نگاہ شفقت رکھتے تھے۔ جگرؔ مرادآبادی سے اُنھیں اور جگرؔ کو ان سے بے حد محبّت تھی۔ جب کبھی دونوں یک جا ہوئے رات دن شعر و شاعری کی صحبتیں گرم رہتیں۔

بھائی صاحب مرحوم کو شعر و شاعری کا شوق اوائل عمر ہی سے تھا جنگ بلقان اور جنگ طرابلس کے وقت حضرت صفیؔ لکھنوی کی نظم :-

زُندہ ہیں اگر زندہ دُنیا کو ہلادیں گے　　مشرق کا سرا لے کر مغرب سے ملادیں گے

پر تضمین لکھی جو باوجودیکہ بہت اوائل عمری کی کہی ہوئی تھی لیکن تمام ہندوستان میں بے حد مقبول ہوئی اور کئی بار ہزار ہزار کی تعداد میں چھپ کر تقسیم ہوئی اور ترانۂ ملی سمجھی گئی۔ شہنشاہ جارج پنجم کی سلور جبلی کے موقع پر قصیدہ پیش کیا تھا جس کے صلے میں سونے کا تمغہ سرکار سے عطا ہوا۔

بھائی صاحب مرحوم کے حلقۂ احباب کی وسعت کا اندازہ یوں بھی ہوا کہ ان کے انتقال پر تقریباً ایک ہزار تعزیتی خطوط موصول ہوئے جن کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرنا میرے امکان سے باہر تھا۔ لہذا میں ان تمام حضرات کا مشکور ہوں جنھوں نے اپنی ہمدردی کا اظہار کیا اور میرے شریک غم ہوئے خصوصاً میں ان حضرات کا بے حد مشکور ہوں جنھوں نے اس مجموعے کی اشاعت میں دامے، درمے، قدمے، سخنے میری امداد فرمائی۔

سردست یہ انتخاب پیش کیا جا رہا ہے، بقیہ غیر مطبوعہ کلام کی اشاعت احباب کی قدر دانی اور ہمت افزائی پر موقوف رہے گی۔

فقط

ظہیر علوی

شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ

ایک ہمدم دیرینہ

ایک "ہمدم دیرینہ" کی مفارقت پر ایک عزیز کی فرمائش پوری کرنے بیٹھا ہوں۔ لکھنا پڑھنا آتا ہو تو یہ موقع جتنا غم ناک ہوتا ہے اتنا ہی اُمید افزا، تسکین بخش، بابرکت ———— یا سُپھلتا کا بھی ہوتا ہے میرے ان الفاظ پر نہ جائیے۔ میں دل کی جو بات کہنا چاہتا تھا وہ پوری طور پر اب بھی نہ واضح ہو سکی۔ یہ ہے بعض دلی کیفیات کی نزاکت و نیرنگی اور یہ ہے الفاظ و فقروں کی زبونی و کم مائگی یا پھر اپنی نیازمندی!

نصیر مرحوم ہنستے کھیلتے زندہ رہے اور ہنستے ہی کھیلتے اُٹھ گئے آغاز اور انجام دونوں قابلِ رشک۔ مجھے تو یقین ہے ایسے شخص کی عاقبت بھی سب سے نہیں تو بہتوں سے یقیناً بھلی ہو گی۔ میرا اُن کا اسکول میں بھی ساتھ رہا اور کالج میں بھی۔ وہ مجھ سے سینیر تھے۔ لیکن نصیر صاحب ہمیشہ اور ہر حال میں نصیر صاحب رہے۔ خواہ وہ اسکول میں رہے ہوں خواہ کالج میں خواہ ایک معزز عہدہ پر فائز

گورنمنٹ اسکول جون پور میں ہم دونوں پڑھتے تھے۔ میں بورڈنگ ہاؤس میں رہتا تھا وہ اٹالہ کی مسجد کے پائیں اپنے آبائی مکان میں۔ لیکن دن کا زیادہ حصّہ ایک دوسرے کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔ نصیر صاحب

مٹھائی کے بڑے شائق تھے۔ مجھے بھی اس چیز سے کچھ دشمنی نہ تھی۔ گھر پر جب مٹھائی اچھی خاصی مقدار میں جمع ہو جاتی تھی تو مرحوم بشارت دیتے کہ آجاؤ۔ ایک دفعہ میں نے پوچھا آج سے کوئی پچیس تیس سال پہلے نصیر بھائی (مسلم بورڈنگ ہاؤس جون پور میں بڑوں کو "صاحب" کے بجائے "بھائی" سے مخاطب کیا جاتا تھا) اتنی مٹھائیاں کہاں سے آجاتی ہیں۔ جواب دیا جنات لاتے ہیں۔ تین چار سال ہوئے مرحوم علی گڑھ تبدیل ہو کر آئے تو ایک دن شکایتاً فرمایا۔ رشید تم آتے نہیں۔ میں نے کہا۔ وہ جنات بھی آتے ہیں یا نہیں۔ بڑے زور سے ہنسے۔ کہنے لگے بھائی، پہلے جنات مٹھائی لاتے تھے اب سب کھا جاتے ہیں۔ میں نے کہا تو پھر مجھے کہاں بلاتے ہیں میں اپنے جنات بھی آپ ہی کے ہاں بھیجدیا کروں گا۔

مرحوم کی زبان میں لکنت تھی اور طبیعت میں بلا کی شوخی اور جولانی۔ کبھی جوش میں آکر یا بے اختیار ہو کر گفتگو کرتے تو ان کا بات کرنے میں اٹکنا اور پھر یکلخت کہہ پڑنا مزا دے جاتا تھا۔ اسکول میں ہیڈ ماسٹر اور ماسٹروں سے اور کالج میں یہاں کے منتظمین سے الجھتے رہنے میں ان کو خاص لطف آتا تھا۔ شوخی، شرارت، خوش طبعی اور وضعداری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اسکول میں ہاکی کھیلتے تھے۔ کبھی کبھی ٹنیس بھی۔ لیکن انھیں کھیل سے اتنی دل چسپی نہ تھی جتنا کھلاڑیوں میں گھلے ملے رہنے کا

شوق تھا۔ الہ آباد کی مشہور نمائش دیکھنے ہیں انھیں کے ساتھ گیا تھا۔ تین چار دن الہ آباد میں رہے، پاؤں سے جوتا نہیں اُتارا۔ پہنے پہنے سو جاتے، لوگوں نے پوچھا یہ کیا حرکت ہے، بولے بھئی بڑا مزا آتا ہے۔ لحاف کے اندر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے نمائش میں گھوم رہے ہیں!

عرصہ کی بات ہے جب گوروں کی پلٹنیں دورہ پر نکلتی تھیں۔ ہم لوگوں کو ان سے ہاکی، فٹ بال کھیلنے کا بڑا شوق رہتا تھا۔ مرحوم ایک بار مُصر ہوئے کہ انھیں بھی ٹیم میں شامل کر لیا جائے۔ چنانچہ اسکول ٹیم کے ساتھ یہ بھی پولیس کے میدان میں ہاکی کھیلنے پہنچے۔ کہنے لگے دیکھو جی ہمارا جہاں سے جی چاہے گا کھیلیں گے اور جیسا جی چاہے گا کھیلیں گے۔ بیچ میں ٹوکنا مت میں نے کہا روئی کی مرزئی تو اُتار دیجئے۔ کہنے لگے سردی لگتی ہے جب ذرا طبیعت میں گرمی آئے گی تو اُتار دیں گے۔ مرحوم کی پشت کا بالائی حصہ شانوں سے متصل نسبتاً زیادہ پُر گوشت تھا۔ جس کے سبب سے ان کی گردن پیچھے سے دیکھنے تو چھپی معلوم ہوتی تھی اس پر روئی کی یہ مرزئی، ہاف بیک کی حیثیت سے کھڑے ہوئے۔ اسٹک کندھے پر رکھے ہوئے۔ کھیل شروع ہوا۔ نصیر صاحب کے پاس گولی آئی تو یہ اُسے لے کر ایک خاص انداز سے بھاگے۔ حاضرین نے نعرہ ہائے تحسین بلند کیے سامنے سے ایک گورے نے آکر چاہا کہ گیند چھین لے نصیر صاحب نے گیند روک لی اور معاً گورے کے سر پر اسٹک تان کر کچھ اس

قسم کی آمادگی ظاہر کی کہ عن قریب اس کا سر بیچ سے دو لخت کر دیں گے۔ گورا غریب کچھ ایسا بھوچکا ہوا کہ اضطرارًا دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن حریف نے موقع کی نزاکت فورًا محسوس کی اور اس طور پر بڑھا کہ نصیر صاحب کی خیر نہیں ادھر یہ بھی غافل نہ تھے۔ فورًا بڑھکر شیک ہینڈ کیا۔

تمام مجمع اور خود گورے ہنستے ہنستے لوٹ گئے!

مرحوم کو پڑھنے لکھنے سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا اور نہ امتحان میں فیل پاس ہونے کو کچھ بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ ان کو دلچسپی، شوخی شرارت اور اسی نوع کی معرکہ آرائیوں سے رہتی۔ کالج میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی ہنگامہ یا معرکہ تصنیف کرتے رہتے۔ لیکن یہ عجیب بات ہی کہ اس طرح کے معرکے کبھی منتظمین کالج یا اساتذہ کے خلاف نہ ہوتے نہ اس کا تعلق سیاسی یا جماعتی مناقشوں سے ہوتا۔ ان باتوں سے وہ بالکل ہی بے تعلق تھے ان کی ریشہ دوانیاں یا تگ و دو تمامتر اپنوں ہی تک محدود رہتی۔ مجھے یاد آتا ہی ایک بات پر، آج کل جہاں طلبا قواعد پریڈ کرتے ہیں وہیں رات کے ۲ بجے دو جماعتوں میں جن میں کم وبیش سو آدمی تھے لاٹھی چلی، خوب خوب چوٹیں آئیں، مرحوم نے مارا بھی اور چوٹ بھی کھائی۔ میں نے نہ مارا نہ چوٹ کھائی۔ بھاگے دونوں۔ دوسرے دن بحث اس پر ہوئی کہ ٹول صاحب کے ہاں فریاد لے جائیں اور حریف کو سزا دلوائیں۔ نصیر صاحب نے کہا ہرگز نہیں

خوب پیٹا اور اچھی طرح پٹ لیے، پھر شکایت کیا اور سزا کیسی ! چلو سب لوگ ہسپتال چلیں !

فریقین نے اس فیصلہ کو تسلیم کر لیا اور اسی صبح کو ہر کلاس میں مضروب پٹیاں باندھے لکچر سن رہے تھے۔ جو اس قابل نہ تھے وہ ہسپتال میں داخل ہو گئے۔ اتنا بڑا ہنگامہ آٹھ دس گھنٹے کے اندر ہی اندر آیا گیا ہوا۔

کالج میں مرحوم ہمیشہ کسی نہ کسی دھن میں رہتے۔ کبھی الکشن کے منصوبے باندھ رہے ہیں کبھی خطابات تصنیف کر رہے ہیں، یا خاص خاص قسم کی نظمیں لکھ رہے ہیں۔ کبھی کسی کے کمرہ میں پڑے گنگنا رہے ہیں اور کبھی برآمدہ میں کھڑے آنے جانے والوں کو گالی دے رہے ہیں اور سب کو ہنسا رہے ہیں۔ ان کے بغیر دوستوں کی محفل پھیکی رہتی تھی۔ وہ کبھی اپنے کمرہ پر نہیں پائے گئے۔ ہمیشہ کسی دوسرے کے ہاں سے ملے اور کسی نہ کسی نئے مشغلہ میں مصروف۔ دوست دشمن دونوں میں مقبول تھے۔ اس لیے کہ وہ منافق بالکل نہ تھے۔ ہر شخص جانتا تھا کہ نصیر جتنی گالیاں دیتا ہے اتنا ہی سینہ سپر بھی رہتا ہے۔

ابھی ابھی ایک واقعہ یاد آیا جس سے آپ مرحوم کی رسائی فکر اور قوتِ فیصلہ کا اندازہ کر سکیں گے۔ کالج میں الکشن کا زمانہ تھا۔ مرحوم اُن لوگوں میں تھے جن کے ہاتھ میں الکشن کی باگ ڈور تھی۔ من سمجھوتا کرنے کا

مسئلہ درپیش تھا۔ اسے مرحوم نہ ماننا چاہتے تھے اور نہ نامنظور کرنے کی ذمہ داری
لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ دہلی چلے گئے۔ خورجہ کے اسٹیشن پر گاڑی رُکی، سامنے
سے فریق ثانی کے وکیل آتے دکھائی دیے۔ جنھوں نے مرحوم کو دیکھکر جلد جلد
قدم بڑھانے شروع کیے۔ نصیر صاحب بہت سٹ پٹائے کیوں کہ ملاقات
ہو جانے پر ان کا سارا نقشۂ جنگ درہم برہم ہو جاتا۔ اِدھر اُدھر دیکھا، راہ فرار
مسدود نظر آئی۔ آخر ایک غریب کُتّے کا سہارا پکڑا گیا۔ یہ بے چارہ قریب ہی
نہایت چپکے چپکے اور انتہائی ادب کے ساتھ دہی بڑے کے گرے پڑے
پتے چاٹنے پر آمادہ ہو رہا تھا۔ اس کی شکل سے ظاہر ہو رہا تھا کہ مہینوں سے
اُسے دہی بڑے کے پتّے سونگھنے کی بھی توفیق نہیں ہوئی تھی۔ مرحوم نے
اسے بڑی زور سے ڈانٹا اور اس کی طرف اس طور سے لپکے کہ اُسے
مار ہی ڈالیں گے۔ کُتّا غریب بھاگا اور یہ اس کے پیچھے ڈھیلا پھینکتے
شور مچاتے بھاگے۔ اس کا خیال البتہ رکھا کہ بے خیالی میں کہیں کُتّے سے
آگے نہ نکل جائیں۔ جب تک گاڑی سیٹی دے کر متحرک نہیں ہو گئی یہ برابر
اس کا تعاقب کرتے رہے۔ یہاں تک کہ گاڑی چل نکلی اور یہ لپک کر پاس
والے ڈبّے میں بیٹھ گئے۔

نصیر مرحوم کا حافظہ بڑا قوی تھا۔ ان کو غیر موزوں اور مہمل اشعار بھی
برسہا برس تک جوں کے توں یاد رہتے۔ اسے میں بڑا کمال سمجھتا ہوں

کیوں کہ میں خود ان لوگوں میں ہوں جن کو موزوں اشعار بھی اس وقت تک یاد نہیں ہوتے جب تک انھیں ناموزوں نہ بنا لیا جائے۔ منشی ٹھاکر پرشاد شاداں ایک بڑے زبردست شاعر تھے۔ ایسے ایسے معرکے کے اشعار تصنیف کئے تھے کہ ہمارے زمانہ میں ان کے کلام سے کالج کے در و دیوار گونجتے تھے۔ مرحوم ہی نے ان کو ہم سے روشناس کرایا تھا۔ شاداں اس زمانہ میں اتنے مقبول ہوئے کہ ان کو خط لکھا گیا کہ کلام کے کچھ نسخے بقیمت بھیج دیئے جائیں۔ کچھ دنوں بعد شاداں کے صاحبزادہ کا خط آیا، کلام شاداں کے کئی نسخے بھی تھے۔ خط کا مضمون یہ تھا

"........... قبلہ گاہی صاحب مغفور کے کلام کی اہل ہندوؤں نے کوئی قدر نہ کی۔ صرف اہل اسلاموں نے کی......"

کالج میں مدتوں اہل ہندوؤں اور اہل اسلاموں کا فقرہ مقبول رہا نصیر مرحوم ان کا کلام بڑے مزے لے لے کر سناتے تھے۔ شاداں کا کلام یوں بھی سرتا سر خستہ و مرصّع تھا۔ اس پر مرحوم کی زبان میں لکنت اور آواز میں کھٹک۔ سناتے تو مزا آجاتا۔ شاداں کے کچھ اشعار لوگوں سے پوچھ کر لکھتا ہوں، ایک غزل تھی جس کا عنوان غالباً یہ تھا:

"غزل یگانہ بصنعت اعراب سہ گانہ"

نمونہ ملاحظہ ہو:

جبھیں آیا یہاں پردہ دل شکن نہ کہا کسی کو یہ اُس نے کن
تبھیں فارسی میں یہ بولے کُن جبھیں باجے چھُن تیرے گھونگرو

نہیں دیکھتا ہوں کبھی سپن نہ سنا ہے گول کی کچھ بھی پن
نہ کیا ہی دیکھئے کچھ پُن جبھیں باجے چھُن تیرے گھونگرو

کریں ہیں جو مکھیاں یوں ہی بھُن کریں مچھڑیں ہی وے بھی بھن
گیا شاداں کا یہی دل بھُن جبھیں باجے چھُن تیرے گھونگرو

شاداں کی ایک غزل کے چند اور اشعار سنئے:

مضمون قد یار کا ہی راست ٹھاڑ باندھ
بوسہ کے واسطے نہ ضرورت ہی پاڑ باندھ

گر ہی ہوس ہُما کو کسی طرح پھانسئے
ترکیب یہ ہی دام میں اس کے تو ہاڑ باندھ

فرہاد سے جو ملنے کی خواہش ہو کوہ پر
تیشے کو لے کے جائیو اور ایک کلہاڑ باندھ

ایک جگہ مضائقہ، لائقہ، دقائقہ کے سلسلہ میں خود بندھ گئے ہیں:

لالہ ہوں لکھنؤ کا رکھوں لکھنؤ کا داغ
پھولوں جو غیر جا پہ کہاؤں شقائقہ

مرحوم بڑی محبت کے آدمی تھے اور اپنی وضع کے بڑے پابند، دوستوں کی بڑی مدد کرتے تھے، کنبے والوں کا سہارا تھے۔ ان کی وفات سے کتنے بے خانماں وکس مپرس ہو گئے۔ میں نے ایسا کنبہ پرور اور دوستوں پر جان چھڑکنے والا بہت کم دیکھا ہے۔ نکمّے، معذور، ہٹّے کٹّے غرض ہر طرح کے کنبے والے ان کے ساتھ رہتے۔ جو نہیں رہتے تھے انھیں روپئے بھیجتے رہتے۔ سب کو ایک نظر سے اور عزّت و محبّت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ سب کو ایک طرح کا کھلاتے پہناتے تھے۔ سب کو سب سے ملاتے تھے بغیر اس خیال کے کہ لوگ کیا کہیں گے اور کیا نہ کہیں گے۔ وہ غریب کم رو اور بدحال عزیزوں کو اپنانے میں کسر شان نہیں سمجھتے تھے۔ سمجھئے تو یہ بہت بڑی بات ہے اور سمجھ میں نہ آئے تو ذرا خود اس طرح رہنے کا ارادہ کیجیے پھر دیکھئے کتنا جلد آپ کا نفس آپ سے کیا سلوک کرتا ہے اور آپ اپنے عزیزوں سے کیا سلوک کرتے ہیں۔

مرحوم شعر شاعری کے بڑے دل دادہ تھے۔ جہاں گئے وہاں شعر شاعری کی محفل گرم ہو گئی۔ خود اُن کے کلام کا انداز آپ آیندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں گے۔ لیکن یہ شاید کم لوگوں کو معلوم ہو کہ مرحوم کو جتنی ہزلیات یاد تھیں اور ہزلیات کی انھیں جیسی مشق تھی اتنی بہت کم لوگوں کے حصہ میں آئی ہوگی۔ ہر طرح کی اور ہر درجہ کی ہزلیات

ہزلیات کے حق میں کلمۂ خیر کہنا ممکن ہے بعض بزرگوں کے نزدیک بھلمنساہت سے گری ہوئی بات ہو۔ کچھ شاید میری دانشمندی میں بھی شک کریں، لیکن ان غریبوں کو کیا معلوم اس فن میں درجۂ کمال حاصل کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ اردو فارسی میں ہزلیات کے نام سے جو کلام ملتا ہے اُسے فحاشی یا مغلظات کہنا زیادہ موزوں ہے۔ جس طرح طنز یا ظرافت میں ذرا پاؤں ڈگمگائے تو نتیجہ کمینگی یا مسخراپن (یا ان دونوں کا مجموعہ سفلہ پن) ہوتا ہے۔ اسی طرح ہزل میں نری بدکرداری یا بیہدہ گفتاری کا دخل ہو تو وہ صرف مغلظات بن کر رہ جاتی ہے۔ اچھی شعر کی ایک پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ پڑھے جانے پر وہ سامعین کی تمام تر توجہ اس طور پر جذب کرلے کہ اگر اس میں کوئی نقص بھی ہو تو اس کی طرف فی الفور ذہن منتقل نہ ہو۔ اسی طرح سب سے اچھی ہزل وہ ہے جس کے پڑھے جانے پر سامع کا ذہن اس کے رکیک یا سخیف پہلو میں اُلجھ کر نہ رہ جائے بلکہ اس کی رکاکت اور سخافت کو مدّنظر رکھتا ہوا شاعر کی سلیقہ کی داد دینے پر مجبور ہو جائے۔ ظاہر ہے ہزّالی ہزالی ہی ہے لیکن اُس شاعر کے کمال کو آپ کیا کہیں گے جو گندگی سے کھیلتا ہے لیکن طہارت زائل نہیں کرتا نہ اپنی ——— اور نہ غالباً آپ کی!

مرحوم ان لوگوں میں تھے جن کو اُن کے دوست نہ جلد بھولیں گے اور نہ بھولنا گوارا کریں گے ——— اور یہ بڑی بات ہے

رشید احمد صدیقی
صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

۵ جنوری ۱۹۴۰ء

نصیر الدّین آہ نصیر الدّین

نہیں ہے جب لطف زندگی کا جئے بھی ایسے تو کیا جئیں گے
دل و جگر پائمال غم ہیں زباں سے کیا درد دل کہیں گے
جہاں میں کیا انقلاب آیا قضا نے کس سے ہمیں چھڑایا
"نصیر" سے غمگسار انساں حفیظ دنیا میں کیا ملیں گے

آج اس گل گلزار اخلاق و محبت، آئینہ صدق و صفا، مایہ دار احسان و مروت، سراپا اخلاص، پیکر انسانیت و شرافت کے سانحۂ ارتحال پر خونِ دل و جگر اشک مسلسل بن کر صفحات "مجیب" پر متراوش ہو رہا ہے جس کی غمگساریاں دل نوازیاں کبھی فراموش نہیں ہو سکتیں۔

نصیر الدّین! آہ! نصیر الدّین

لکھنؤ، علی گڑھ، جون پور کے نامہ ہائے روح فرسا کہہ رہے ہیں کہ آپ ابدی نیند سو گئے اور دنیا کی ظاہری آنکھوں سے پوشیدہ ہو کر عالم اسباب سے رخصت ہو گئے۔ مگر کیا دلوں کی دنیا سے کبھی وہ نقوش حیاتِ نصیر محو ہو سکتے ہیں جو گوشہائے دل سے اعلان کر رہے ہیں ؎

وہ ازل سے صبح محشر تک فروزاں ہی رہا حسن سمجھا تھا چراغ کشتۂ محفل مجھے

دنیا فانی ہے اور جو یہاں آیا ہے ضرور جائے گا مرگ و حیات میں چولی دامن کا
ساتھ ہے وہ عرصہ جسے قیدِ جسم و تعنیاتِ عالم سے وابستہ سمجھا جاتا ہے اہل ظواہر
زندگی سے تعبیر کرتے ہیں اور انسان جب اپنے متعلقہ فرائض عالم پورے کر کے
قیدِ جسم و لباس ظاہری سے آزاد ہو کر ابدی راحتوں کا مستحق ٹھہرتا ہے تو اُسے
موت کہتے ہیں ؎

جینا ہوش کا اک وقفہ ہے مرنا شانِ مستی ہے
جینا مرنا، مرنا جینا، موت جو ہے وہ ہستی ہے

خوش قسمت ہیں وہ انسان جو اس ظاہری زندگی کے چند لمحات کو بھی دنیا سے
غافل ہو کر یادِ حبیب کی پُر سکون ساعتوں میں گزار دیتے ہیں اُن کے لیے
غم و راحت یکساں اور سکون و حرکت مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ دوسروں کے
درد کو اپنا درد سمجھ کر اپنی زندگی کو سراپا درد بنا دینے والے اور دوسروں کی
راحت و مسرت کے لیے اپنے آپ کو طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا کر کے بھی
راحت و مسرت محسوس کرنے والے دنیوی زندگی میں اطمینان اور اس دنیوی
زندگی کی قید سے آزاد ہونے کے بعد راحت ابدی کے سزاوار ہوتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ اپنے بندوں سے محبت کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔
خادمانِ خلق کا درجہ دُنیا اور دین دونوں میں بلند و بالا ہے۔

نصیر الدّین علوی فتح گڑھ ہی میں اپنے والد کے زیرِ سایہ ابتدائی تعلیم سے

فارغ ہوکر علی گڑھ میں کالج کی کامیاب زندگی کے بعد ایم اے ال ال بی ہوکر فتح گڑھ اور سرائے میراں میں بحیثیت وکیل کے جو درجہ رکھتے تھے ضلع فرخ آباد کے باخبر حضرات واقف ہیں۔ دوستوں سے دوستی، اپنوں سے محبت، یار و اغیار سے ملاقاتیں، علم و ادب کی خدمات، مشاعروں میں انہماک اور ضلع کے ہر مذہبی و قومی کام میں دلچسپی سے سبھی واقف ہیں منصف ہوئے تو منصف ہی ہوکر نہیں رہے۔ بلکہ ابتدائے دور منصفی میں صوبہ کے اضلاع مشرقی میں اپنی اخلاقی ضیا پاشیوں کے بعد محکمہ رجسٹری کی انسپکٹری پر فائز ہوکر کئی سال تک کم و بیش تہائی صوبہ میں اپنی درخشانیِ طبع کے جوہر دکھاتے رہے۔ کثیر الاحباب یوں بھی تھے۔ اس عہدۂ جلیلہ پر فائز ہونے کے بعد ع

سمندِ ناز کو اک اور تازیانہ ہوا

نئے نئے تعلقات، نئی نئی محبتیں، نئی نئی دوستیاں مگر سینہ تھا کہ گنجینۂ محبت، دل تھا کہ بحرِ ذخار اخلاق و مروت، نئی نئی ملاقاتوں میں پرانی وابستگیاں منقطع نہیں ہوئیں۔ بلکہ اور زیادہ استوار ہوتی گئیں۔ فتح گڑھ جو آپ کے وطن ثانی کی حیثیت سے آپ کے لیے جون پور سے زیادہ عزیز بن گیا تھا اور بدوران انسپکٹری بھی آپ کے سینٹر کی حیثیت سے رہا۔ پھر منصفی پر متمکن ہونے کے بعد مین پوری، باندہ، علی گڑھ آپ کے جولان گاہ اخلاق و محبت رہے۔ اللہ اللہ وہ مین پوری کی پرکیف صحبتیں، شعرا کے اجتماع میں

دادِ سخن دی جا رہی ہے، میہماں داریاں ہو رہی ہیں۔ کبھی جانے کی تیاریاں کسی کو بلانے کے سامان، دیس دیس کے شاعر اور اہلِ ذوق جمع ہیں۔ یو پی ہی نہیں پنجاب و بہار تک کے شعرا چلے آرہے ہیں۔ مین پوری کے مشاعروں سے نمائش میں چار چاند لگ گئے اور آپ کے زمانہ میں شہر مین پوری کے تاریخی مشاعروں کے سلسلہ میں ۱۹۳۲ء کا وہ عظیم الشان مشاعرہ زیرِ صدارت عالی جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب شیخ الجامعہ جامعہ ملّیہ اسلامیہ دہلی منعقد ہوا جس کی نظیر اس دور کے مشاعروں میں مشکل سے ملے گی۔ کیا کیا لوگ جمع ہوئے تھے۔ آپ کی ادبی یادگار "مآثر الشعراء" شاہد ہے کہ کیسے کیسے شعرا کا مجمع تھا۔

اسی مشاعرہ میں ہندوستان کے مشاہیر شعرا کے ورود میں حضرت اصغر گونڈوی مرحوم کی تشریف آوری بھی ایک عجیب کیف کا ساماں تھیں۔ سرگباشی پنڈت سندر نراین مشران کی شعر و شاعری پر افتتاحی تقریر ہو رہی ہے۔ مشاعرہ کی ایک دو نشست میں تین تین نشستیں انعقاد پزیر ہوئیں۔ نصیر صاحب تھے کہ پھولے نہیں سماتے تھے۔ جیسے کہ ایک دولتِ بے بہا مل گئی ہو۔ دن مہمانوں کی خاطر و مدارات میں اور راتیں دادِ سخن میں جاگ جاگ کر بسر کی جا رہی تھیں۔ مشاعرہ کی پُر کیف صحبتوں کے بعد اکثر شعرا رو کے جا رہے تھے طرح طرح کے نغمے سننے میں آتے تھے۔ شیخ اصغر حسین صاحب کی کوٹھی سے نصیر صاحب کے بنگلہ تک شاعری ہی شاعری کا چرچا تھا۔ مین پوری کی

فضا پر شعریت مسلط تھی۔ حضرت جگر کی سرمستیاں، طپش کی لطیفہ گوئیاں، ٹونکی مہمانوں کی دل چسپیاں، اٹاوہ پارٹی کی دل افروزیاں، اکبر آبادی جماعت کی نازک مزاجیاں کیا کیا لطف تھے۔

نصیر الدّین! آہ!! نصیر الدّین

یہ سب باتیں بھولا ہوا افسانہ ہوگئیں آپ یاد آئیں گے آپ کی یاد ان صحبتوں کو یاد دلائے گی اپنا جانا آپ کا بلانا، جب زرا بھی پوری پہنچنے میں تاخیر ہوئی خود آرہے ہیں۔ دفتر مجیب میں بورئے فقیری پر سخت سے سخت موسم گرما میں لیٹے ہوئے ہیں یہ عالم ہے کہ ایک لمحہ کی جدائی بھی شاق ہے۔ خطوط میں اصرار ہے خود فرما رہے ہیں کہ حفیظ فرخ آباد کو چھوڑو کسی بڑے شہر میں کام کرو اور اس کے لیے خود اہتمام کرنے کو طیار ہیں۔ تار دے دے کر بلاتے ہیں اور جب خطوط و تار پر بھی نہیں پہنچا ہوتا ہے خود مسکراتے چلے آرہے ہیں۔ شکوے ہیں مگر غصہ نہیں، وہی نوازش محبّت، پانی برس رہا ہے رات اندھیری ہے شب کی ٹرین سے چلے آرہے ہیں۔ دفتر مجیب میں نہیں بلکہ گلیوں کو طے کرتے ہوئے مکان کے دروازہ پر آواز دے رہے ہیں "حفیظ"۔ حیران ہوں کہ اس تاریکی شب میں آپ کہاں؟ آپ خوش ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم نہیں پہنچے میں خود ہی چلا آیا۔ دل چاہتا ہے کہ اس مصرعہ طرح پر بیٹھ کر ساتھ ساتھ طبع آزمائی کریں۔ راتیں لطیفہ گوئی

ہیں اور دن داد سخن میں گزار رہے ہیں ایک ایک بات کا استفسار ہے ذرا رونگٹا دُکھے تک کی خبر ہوئی کہ دوڑے آرہے ہیں تسکین دی جارہی ہے پرسش غم ہو رہی ہے، خوش دیکھکر خوش ہیں، غمگین دیکھکر ملول ہیں۔

نصیر الدّین ! آہ ! نصیر الدّین

یہ سب کچھ ہوا اور آپ نے سب کچھ کیا مگر آپ بیمار ہوئے سخت سے سخت علالت لاحق ہوئی اور انتہائی تکلیف اور انتہائی نقاہتِ علالت کے دور سے گزرے۔ اور یہاں یہ حال کہ خط لکھا جا رہا ہے کہ "اپنی کیفیت مزاج سے" اپنے خود نوشتہ خط سے مطلع فرمائیے۔ کروٹ لینے کی طاقت نہیں ہے حفیظ کو اطمینانِ خاطر کے لیے خود اپنے ہاتھ سے آخری اور سب سے آخری خط لکھتے ہیں۔

جب ہم عصر سرگزشت علی گڑھ کے ذریعہ آپ کے (بسلسلۂ علاج) لکھنؤ جانے کا علم ہوتا ہے دل میں ہوک اُٹھتی ہے لکھنؤ پہنچ کر ۱۰ اگست تک آپ کو اس اُمید افزا حالت میں چھوڑ کر دُنیا ظالم دُنیا کی کشاکش فرخ آباد کھینچ لاتی ہے کہ آپ کے درد کو سکون ہے اور آپ خود اجازت دیتے ہیں کہ فرخ آباد جاؤ۔ مجھے سیّد ظہیر الدّین صاحب کے اس کہنے پر کہ بھائی صاحب کو اس حالت میں اپنے راہی ملک بقا ہونے کا قطعی یقین ہو چکا ہے۔ اس احساسِ تیقّن کو کسی طرح زائل کیا جائے۔ کوشش کی جاتی ہے سمجھایا جاتا ہے

مگر سب کے جواب میں آپ نہایت متانت و سنجیدگی سے جواب دیتے ہیں ع
میں کیا بتاؤں درد کہاں ہے کہاں نہیں

تیمارداروں کے علاوہ مختلف مقامات سے روزانہ عیادت کنندگان کا
ایک سلسلہ لامتناہی تھا۔ جس و حرکت سے معذور مگر اخلاق و محبّت سے
معمور۔ ہر شخص سے وہی فراخ دلی کی باتیں، اسی انداز محبّت سے تخاطب
آپ کے آیئنِ محبّت میں خدمتِ انسانی اور دل دہی خلق ممیّز شانیں
ہویدا تھیں۔ کوئی ہو اور کسی کا کچھ بھی کام ہو عجب مادّۂ قبول تھا۔ جو آرزو مند
پہنچا سہارا دیا، جس ضرورت کا اظہار کیا گیا خود کو تکلیف ہوجائے مگر اس کی
ضرورت کو کسی نہ کسی طور پر پورا کیا جائے۔ یہ سلسلہ علالت کے دوران
میں بھی جاری رہا۔ اور غرض مند یہ سمجھ کر کہ نصیر صاحب کس منزل میں ہیں جب
اپنی ضرورتوں کے لیے متوجہ ہوئے۔ اللہ رے فراخ دلی کہ وہاں انکار کا
نام نہیں۔ احباب و مخلصین کے نام پر جان دینا اسے کہتے ہیں۔ احباب کا
اصرار ہے کہ کشمیر چلو۔ سامان سفر تیار ہوا اور راہی کشمیر ہو گئے۔ کس اذیت
کس درد و کرب کے عالم میں مرض کے حملہ کے بعد صدہا میل کا سفر طے کر کے
علی گڑھ آنا ہوا۔ مگر زبان سے اُف نہ کی۔ علی گڑھ میں چند یوم علاج کے بعد
جب حالت روبہ اصلاح نہ ہوئی کنگ جارج میڈیکل کالج لکھنو پہونچکر جو بہتر سے بہتر علاج
عالی جناب ڈاکٹر عبدالحمید صاحب پرنسپل میڈیکل کالج کی توجہ سے ہو سکتا تھا

ہوا۔ جناب ڈاکٹر مصرار و جناب ڈاکٹر محمد عون صاحب، ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب
پنشنر سول سرجن لکھنؤ بھی برابر دیکھتے رہے۔ سب کو تشویش تھی مگر سب
اطمینان دلاتے تھے۔ بہترین علاج کے ساتھ ہمہ وقت توجہ اور انتہائی
احتیاط کی جارہی تھی لیکن ایک مرض کم ہوتا تھا تو دوسرا شروع ہو جاتا تھا
آخری ہفتہ میں قلب کی حرکات کی تیزی سے مایوسی حیات ہونے لگی تھی مگر
تیمارداروں کی توجہ اور ڈاکٹروں کے انہماک نے غالباً آخر وقت تک
مایوسی سے دوچار نہ ہونے دیا۔ فتح گڑھ سے سید محمد مسیح صاحب برابر
دیکھنے پہنچتے رہے اور بربنائے بےتکلفی اپنے دورانِ قیام میں انتہائی احتیاط
کی تاکید کرتے رہے جس پر بھی اظہارِ تاثرات تھا کہ بھائی تکلیف نہ دو، بلکہ
مجھ سے یہ فرمایا کہ مسیح کا زیادہ نقصان ہو رہا ہے انھیں سمجھاؤ کہ فتح گڑھ جائیں اور
اب میری حالت اچھی ہے۔ میں جب لکھنؤ سے واپس ہوا تو یہ اُمید لے کر واپس
ہوا تھا کہ صحت جلد ہوگی کیا معلوم تھا کہ صحت کلّی کی دعائیں اور تندرستی کی
خاطر دوائیں سب بےکار ہو کر موت کے وقت میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ ہوگی
پیغامِ مرگ پہنچا اور یک شنبہ ۱۴ اگست ۱۹۳۸ء بوقت ۲ بجے دن جب کہ
آفتاب رو بہ زوال ہوتا ہے آسمانِ اخلاق و محبت کا یہ آفتابِ درخشاں
اوجھل ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ جون پور وطنِ مالوف
کو نعش لے جا کر سپردِ خاک کی گئی! اللہ کی رحمتیں قبرِ نصیر پر سایہ فگن ہوں۔

نصیر الدّین آہ نصیر الدین

از جانِ من آرام رفت آرام جان من کجا
جانم نشانِ فتنہ شد راحت رسانِ من کجا

قسمت کو یہ دن بھی دکھانا تھا اور حفیظ کی لذت حیات میں اس تلخی مرگ کی آمیزش بھی ہونا تھی۔

موت اور ایک دوست کی موت، ایک محسن کا ارتحال، ایک دردمند کی مفارقت دائمی، ایک غمگسار کا ہمیشہ کے لیے چل دینا، سمجھ میں نہیں آتا کہ کون مرا، مرنے والا آنکھوں کے سامنے نہیں ہے لیکن اس کا ذکر آج اور بھی زیادہ کثرت سے ہو رہا ہے جسے دیکھو پوچھتا ہے کہ بھائی یہ کیا ہوا، کوئی روتا آتا ہے، کوئی باتیں کرتے کرتے رونے لگتا ہے۔ مجروح قلب مکرمی سید احمد صاحب کو سختی علالت تک کے ہونے کا صدمہ ہے، کوئی تعزیت کے لیے ظہیر صاحب کا پتا پوچھتا ہے۔ جس نے سنا رو دیا، جو سنتا ہے سر دھنتا ہے فتح گڑھ میں تو کہرام مچ گیا، حکام، اہل عملہ، وکلاء عوام و خواص سبھی متاثر ہوئے، ایک دفعہ پھر سید زین العابدین صاحب مرحوم کے زمانہ سے نصیر الدین علوی اور ظہیر الدین علوی کے قیام فتح گڑھ کے زمانہ تک کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر گئی ؂

سینہ خالی، آنکھیں ویراں، دل کی حالت کیا کہیے
دل ہے کہ امنڈا چلا جاتا ہے۔ ہاتھوں

نصیر الدّین آہ نصیر الدّین

میں رعشہ ہے، آنکھیں ڈبڈبا رہی ہیں، اختلاجی کیفیت ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کی موت واقع ہوئی۔ نصیرالدین زندہ ہیں، زندۂ جاوید ہیں، محبت کرنے والے نہیں مرتے پھر نصیرالدین کیسے اور کیوں کر مرے! ؎

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما

مگر دنیا کا طریقہ یہی ہے کہ جب اس قسم کی دائمی جدائی یا اس قید حیات سے کسی کی رہائی ہوتی ہے تو ہم قفس چھینتے ہیں، روتے ہیں۔ وہ تقرب الٰہی کے مزے لوٹ رہے ہیں، ہم انھیں مردہ سمجھ کر نالہ و بکا کرتے ہیں۔ اللہ کے نیک بندے خواہ کسی لباس و جسم میں ہوں ان کی نیکی پوشیدہ نہیں رہتی۔ نصیرالدین نے دنیوی ذمہ داری کے عہدوں پر بھی رہتے ہوئے جو خدماتِ خلق انجام دیں اور فرائض انسانی کو محسوس کیا۔ مقتضائے بشریت ہے کہ ان کے لیے آنسو بھی بہیں اور ان کے پس ماندگان کے رنج و غم میں بھی شرکت کی جائے۔

حفیظ، غمزدہ حفیظ! مرحوم و مغفور کے برادر عزیز جناب ظہیرالدین علوی ایم اے ایل ایل بی۔ صاحبزادگانِ عرش آشیاں عزیزان فصیح الدین امین الدین وغیرہ و دیگر اعزّہ سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق صبر عطا فرمائے اور مرحوم کے برادرِ عزیز و صاحبزادگان کو دین و دنیا کی

ترقیوں سے سرفراز کرے۔

مرحوم کی روح کو تلاوتِ کلام مجید سے احباب ایصال ثواب کریں۔ ظاہر ہے کہ اس مفارقت کے بعد بھی ایک ذریعہ اپنے قلب اور مرحوم کی روح کے تسکین کا ہوسکتا ہے۔

سینہ کوبی، گریہ و زاری، آہ و بکا سب بے سود ہیں۔ مرحوم کو ہمارے نالہائے غم سے کیا۔ یہ مجبوری و بے بسی کی باتیں ہیں۔ انسان مجبور ہے زندگی و موت دونوں میں۔

نصیر الدّین آہ! نصیر الدّین

دل فگار

حفیظ الرّحمٰن خاں مجیبی

اڈیٹر اخبار "مجیب" فرّخ آباد

سیّد نصیر الدّین علوی

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

خدا غریقِ رحمت فرمائے سیّد نصیر الدّین صاحب علوی بہمہ صفت موصوف ایک مکمّل انسان تھے، انسانیت کا دل فریب مظاہرہ آپ کی پاکیزہ سیرت کا طریقہ کار تھا۔ فطرت کاملہ نے آپ کی طینت کو خُلق کے پانی سے تر کیا اور قدرت نے آپ کو شرافت کا نمونہ بنا کر دنیا میں بھیجا تھا۔ ممدوح عمدہ خصائل اور خوش گوار عادات و اطوار کا دل کش مجسّمہ تھے خلوص آپ کا طریقہ تھا تو محبّت شیوہ تھا۔ اپنوں اور بیگانوں میں ہر دل عزیز تھے۔ سب کے دل میں آپ کے لیے جگہ تھی اور سب کا دل آپ کے اخلاق حمیدہ کا ممنون تھا۔ مزاج میں بڑی پیاری سادگی اور اور بے تکلّفی تھی۔ متانت اور سنجیدگی کے ساتھ مزاح پسند طبیعت کی رنگینی بہت پُر لطف تھی جس سے اہلِ محبت کے قلوب شگفتہ و بالیدہ ہوا کرتے۔ باتوں باتوں میں تبسّم کی لہر پیدا کر دینا آپ کے مذاقِ سلیم اور ادب لطیف کا نہایت خوش آیند نتیجہ تھا جس نے آپ کی صحبت میں دو چار گھڑیاں گزاری ہوں گی اُس نے آپ کے دل کش فقرات سے لوحِ قلب پر روح پرور نقوش بنائے ہوں گے۔ شاعری کا فطری شوق و ذوق صرف اشعار تک محدود نہیں تھا

بات چیت میں بھی اپنا رنگ اُچھال دیتا۔ اکثر اوقات آپ کے چبھتے ہوئے فقرے جن میں زندہ دلی کی روح کارفرما ہوتی۔ بہترین سے بہترین شعروں سے زیادہ لذّت آفریں اور کیف پرور ہوتے۔ اب بھی یاد کے دامن سے وابستہ ہیں لیکن دل کے لیے نشتر ہو گئے۔ ؎

کیا بیاں کر کے مرا روئیں گے یار
مگر آشفتہ بیانی میری

ممدوح کے احباب کا حلقہ کافی طور پر وسیع تھا آپ کی صحبت محبّت اور خلوص کے پرستاروں کی محفل ہوتی۔ مردم شناس اور قدرداں تھے جسے قابل قدر پاتے بہت جلد اپنا لیتے خود بھی گرویدہ ہو جاتے اور اُسے بھی گرویدہ کر لیتے آپ کا یہ طرز عمل کامیاب محبّت کا سچّا فلسفہ تھا۔ مثل مشہور ہے کہ "دل کو دل سے راہ ہوتی ہے" میرا ذاتی تجربہ شاہد ہے کہ موصوف پہلی ہی صاحب سلامت میں برسوں کے دوست نظر آتے تھے۔ اس محبّت اور بے تکلّفی کے ساتھ ملتے کہ دوسرے کو بھی تکلّف کا موقع نہ دیتے۔ اپنے رنگ میں رنگ لینا آپ کے اخلاق پسندیدہ کا عام دستور تھا۔ برابر والا ہوتا یا کم درجہ والا جس سے ملتے مصافحہ کے عوض بڑی گرمجوشی کے ساتھ معانقہ سے اظہار محبّت فرماتے اخوّت اسلامی اور تہذیب قدیم آپ کی عادت میں داخل تھی۔

ممکن تھا اور بہت ممکن تھا کہ ایک باعزّت عہدہ رکھتے ہوئے فراج میں

وہ انانیت پیدا ہو جاتی جسے مغرب پرست گروہ میں نخوت کی میزوں پر تہذیب
جدید کے نام سے دعوت دی جاتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ممدوح کی ہستی
کوئی عام ہستی نہ تھی جو زمانے کے بہاؤ میں خس و خاشاک کی طرح بہہ نکلتی
آپ کی فطرت میں وہ ہلکا پن نہ تھا جو پاکیزہ اور وزنی طینت یعنی علویت کے
منافی ہو سکتا ؎

کب زمانے کی ہوا لگتی ہے عالی ظرف کو

مرحوم اپنے عہد کے ممتاز شعرا میں تھے لیکن شعر و سخن کی دنیا میں بھی مزاجی افتاد
یعنی خاکساری نے ادبی کمالات پر کبھی ناز کرنے کی اجازت نہ دی۔ سو فیصدی
شعرا میں "ہم چو ما دیگرے نیست" کا عارضہ ہوتا ہے لیکن آپ کا شیوہ مباہات
بالکل برعکس تھا اپنے لیے فخر کبھی جائز نہ سمجھا اور دوسروں کو ہمیشہ افتخار و
عزت کی نگاہ سے دیکھا۔ مشاعروں یا نجی صحبتوں میں جس کا کلام سنتے اُسے
دل کھول کر داد تحسین دیتے اور موقع پر سنہری طبیعت کے فیض سے
داد شعر و شاعری کو تقریٔی بھی کر دیتے۔

من جملہ دیگر خصائل اعلیٰ۔ مرحوم و مغفور بڑے با مروت بڑے
کریم النفس اور بڑے مہمان نواز تھے۔ مزاج میں مروت کا یہ حال تھا کہ
بے مروتی سے واقف ہی نہیں تھے اگر شاید و باید کبھی کسی سے ناخوش ہوئے
تو چند ہی ساعتوں کے بعد پہلے سے بھی زیادہ مہربان ہو گئے۔ آئینہ سے زیادہ

صاف و شفاف دل کبھی گرد کدورت سے ملوث نہ ہوا۔ سخی طبع اور دریا دل وقت پر دامے، درمے، قدمے، سخنے کریم النفسی اپنا کام کرتی اور خوب کرتی۔ مہمان نوازی کا تو یہ عالم تھا کہ خدا جانے کس ہجوم اور کس آمد کو دیکھکر کہنے والے نے یہ فقرا کہا:

"نصیر کو تو آدمی جمع کرنے کا مرض ہو گیا ہے"

افسوس آدمیوں کو جمع کرنے والا آدمیوں کی صحبت سے ہمیشہ کے لئے دور ہو گیا۔ مگر دوستوں کے دل سے دور نہیں ہوا صورت مٹ گئی سیرت یادگار رہی۔ قبر کے اندر مشت خاک، دلوں کے اندر نصیر الدین ہیں ؎

نگاہوں میں تری صورت ہے دل میں یاد تیری ہے
نہ بھولیں گے تجھے اے مرنے والے ہم نہ بھولیں گے

دل گیر

وزیر حسن نامی جون پوری

قطعۂ تاریخ ترتیب دیوان

سیّد نصیر الدّین صاحب علوی مرحوم

ایں کلامے کہ بحسن و خوبی — دل پذیر ست و سراپا تاثیر

از تصانیف نصیر الدّین ست — کہ پس طبع شدہ نقش پذیر

بود مشقِ سخنش روز افزوں — کہ بتو دامِ قضا گشت اسیر

جلوۂ شاہدِ معنی شد گم — روزِ روشن شدہ گویا شبِ تیر

قبل ازیں حادثۂ جاں فرسا — رفتہ بودہ پئے سیرِ کشمیر

شد ہماں جا مرضے لاحقِ حال — ماند تا آخرِ دم دامن گیر

صحّت و عافیتش کرد گریز — شدہ ہر چند علاج و تدبیر

وصف و خوبیش نویسم چنداں — کہ طویل ست و بسیط ست و کثیر

مثلِ او کم نظر آمد بجہاں — پاک خو پاک دل و پاک ضمیر

خلق و ہمدردی و ایثار و وفا — شد بطبعش چو عناصر تخمیر

اثرِ سحرِ حلالش کردہ — دلِ اربابِ سخن را تسخیر

اخِ نام آورِ خُردش پسرِ او | که ز عرف است مسمّیٰ بہ ظہیر
جملہ اصنافِ کلامش یکجا | کرد در صورتِ دیوان تسطیر
ق گاه گاہے بحیاتِ مرحوم | یافتم از کرمش ایں توقیر
کہ بفرمائشش و اصرارِ بلیغ | دادہ ام مشورہ ہا مثلِ مشیر
بعدِ او ہم بہماں استحقاق | خواندہ ام ایں ہمہ نظم و تحریر
فاش می گویم و می گویم راست | کہ ندارد سخنش مثل و نظیر
غزلش آئینۂ حسنِ بتاں | مطلعش جلوہ گہِ مہرِ منیر
شعر برجستہ بدیہیاں می گفت | از کماں چوں بہدف آید تیر
سخنِ اوست لذیذ و شیریں | بہم آمیختہ چوں شکر و شیر
ق می کنم عرض پئے مغفرتش | پیش داور کہ رحیم ست و قدیر
شافع و ناصر و حامی بادا | احمد و حیدر و شبّر شبّیر
باز گویم ز کلامش سخنے | کہ ہمیں خاتمہ باشد ز حقیر
زیورِ طبع بپوشید و کشید | دلِ من صورتِ نقشِ تصویر

بہرِ تاریخ نوشتم احسنؔ
یادگارے ست ز مرحوم نصیر
١٣ ھ ٥٧

غم نصیب
احسنؔ مارہروی

نصیر مرحوم

(حضرت جگر مرادآبادی کی نظر سے)

سید نصیر الدین علوی نصیر مرحوم و مغفور میرے دیرینہ اور مخلص دوست تھے میں نے ان کے مزاج اور ان کی زندگی کا دور و نزدیک دونوں حیثیتوں سے مطالعہ کیا ہے۔ وہ شاعر بھی تھے، شاعر پرست بھی اور انسان بھی۔ میں شاعر ہونے کا معیار ہی صحیح انسانیت اور پاکیزہ اخلاق سمجھتا ہوں۔ وقتی اور عارضی لغزشیں انسانی فطرت کا حسن ہیں اور بعض اوقات وسعت فکر و نظر کا ذریعہ بھی۔ لیکن ان میں استحکام اور پائداری خصوصاً اُس حد تک کہ مزاج بن جائیں خطرناک ہی نہیں بلکہ شیطانی بھی ہیں۔

نصیر مرحوم انسان تھے اور اپنے اندر بے شمار محاسنِ اخلاق رکھتے تھے۔ وقتی اور عارضی لغزشیں ان کا مزاج نہیں بن سکیں۔ ممکن ہے کہ اس طرح انھوں نے زندگی کی وسعتوں کا کافی مطالعہ بھی کیا ہو۔ وہ شاعر بھی تھے لیکن یہ ان کے لئے ذریعۂ عزت نہ تھی۔ اکثر و بیشتر کہا کرتے تھے لیکن تفننِ طبع کے طور پر۔ اُنھوں نے کبھی اس کو اپنا پیشہ یا مستقل فن نہیں بنایا۔ اسی لئے ان کے کلام میں محاسن و خصوصیات کے ساتھ ساتھ چند کمزوریاں بھی پائی جاتی ہیں۔ وہ بالقوی نہایت بلند اور پاکیزہ و لطیف مذاق شعری رکھتے تھے۔ شعری نزاکتوں تک پہنچنا شعر کہنے

کہیں زیادہ دشوار ہوا کرتا ہے۔ مرحوم کی نگاہِ فکر بیک ساعت شعر کی تمام و کمال صوری و معنوی گہرائیوں تک پہنچ جاتی تھی، وہ شعروادب کے دیوانے تھے میں نے بارہا انھیں شعر کے تاثرات میں ڈوبا ہوا دیکھا ہے۔ ان کی طبیعت اس درجہ شدید اور جلد اثر پزیر ہو جاتی تھی کہ ان پر ایک عالم وجد و رقص طاری ہو جاتا تھا۔ وہ بہت کم کہتے تھے، لیکن محسوس کرکے کہتے تھے اور اکثر و بیشتر نہایت عمدہ، بہت بلند اور حسن و عشق کے دائرے میں رہ کر۔

مرحوم کا مجموعۂ کلام ان کے برادرِ عزیز اور میرے دوست جناب سید ظہیرالدین علوی صاحب ظہیر جونپوری اُردو لکچرر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ طبع کرا چکے ہیں۔ صرف اس کی جلدسازی اور اشاعت کے مراحل باقی رہ گئے۔ اس لئے رواروی میں بجز مذکورۂ بالا چند سطروں کے اور کیا پیش کر سکتا ہوں۔

آخر میں صرف دعا کرتا ہوں کہ خدائے رحمٰن و رحیم مرحوم کو کروٹ کروٹ جنّت عطا فرمائے۔

مخلص

جگر عفی عنہ

Moulvi Nasir Uddin Sahib

Moulvi Syed Nasiruddin Sahib Alvi, Sub-Judge, Aligarh, an old diabetic patient, who had a paralytic attack, while on a visit to Kashmir, last June, and had since been undergoing treatment at the King George Medical College, Lucknow, died this noon (August 14) at 12 of heart failure. He had lately begun to improve. But the death of Moulvi Fasihuddin Saheb, M. L. A., who was occupying the next ward at the hospital, of this very disease, had an adverse effect on his heart, which began to sink. His dead body was forthwith carried by motor lorry to Jaunpur, where it will be buried.

A versatile scholar, a well known peot, and above all the jewel of a man, the diseased died young—too young. He was not even 50 when he breathed his last. Belonging to an eminent Syed family of Jaunpore district, the eldest son of Zainul Abdin Saheb, munsarim, a more courtious, helpful, jovial and sympathetic man it will be hard to come across. Over-flowing with the milk of human kindness, his house was always the Mecca of helpless, friendless and needy from morning till late in the evening. Whatever the nature of work, he was ever too ready to come to the help of all and sundry. Calls upon his sympathy and support were so varied and wide, that he was ever in embarassing circumstances. Relations, distant otherwise, friends in need, a lot of people were supported by him. God knows what will happen to them. Lovably informal in his behaviour, dress and living, his personal expenses were meagre except, of course, what he used to give away to poor poets and musicians. He had two hobbies-mushaira and music parties—which events ever found in him a great patron. In him musicians and poets have lost a considerate friend.

He leaves behind a widow, 5 sons, 3 daughters, all less than 16, a widowed sister, three orphan nephews and a brother, Mr. Zahiruddin, Advocate, practising at Jaunpore. In him the world has lost not only a finest family man, a most popular official, but a perfect gentleman, if there was one, and a public benefactor hardly equalled in his circumstances.

[The Star of Lucknow dated 18-8-1938]

Mohd. Nasir Uddin Alvi

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(الف)

حریمِ ناز کا ہم نے یہ احترام کیا
کہ ذرّے ذرّے کو سجدہ کیا سلام کیا

یہ کام الفتِ ساقی میں صبح و شام کیا
جہاں جہاں گئے ذکرِ سبو و جام کیا

جہاں گزر نہیں ہوتا وہاں ہوا ہے گزر
تری طلب نے مجھے فائز المرام کیا

بنا ہوا تھا دلِ داد خواہ ہر ذرّہ
تمہارے جلووں نے کیا حشر زیرِ بام کیا

بتا سکا نہ کوئی رمزِ حسنِ یار نصیر
کلیم سے بھی اسی بات میں کلام کیا

جس دن سے ہوا ہے دل دیوانہ محمدؐ کا
ہر ایک سے سنتا ہوں افسانہ محمدؐ کا

تعظیم کو حوریں ہیں۔ تسلیم کو غلماں ہیں
کس شان سے آتا ہے دیوانہ محمدؐ کا

ڈرتے ہیں قدم رکھتے از راہِ ادب قدسی
ہے عرش پہ یا گویا کاشانہ محمدؐ کا

توحید کی مَے پی کر سرشار ہوا عالم
کیا خوب ہے مَے خانہ، مَے خانہ محمدؐ کا

بے خود ہے نصیرؔ اب تک جامِ مئے عرفاں سے
کب ہوش میں آتا ہے مستانہ محمدؐ کا

فروغ ہم کو دکھلائے نہ آفتاب اپنا
ہے سوزِ عشقِ امامِ فلک جناب، اپنا

دکھا دیا غمِ شبیرؑ نے جواب اپنا
بہارِ لالہ بنا داغِ کامیاب اپنا

ہوئی عروسِ شہادت کی رونمائی کب
لٹا دیا علی اکبرؑ نے جیب شباب اپنا

ہے داغِ عشقِ امامِ زمن کی وہ تابش
کہ منہ چھپانے لگا ہم سے آفتاب اپنا

چھلک رہے ہیں غمِ شہ میں جام آنکھوں کے
برس رہا ہے ہر اک لکۂ سحاب اپنا

گلِ طرب کی جگہ خارِ غم چنے ہم نے
بنا ہے گلشنِ ہستی میں انتخاب اپنا

کبھی ہوں بزمِ عزا میں تو کربلا میں کبھی
اثر دکھائے الٰہی یہ اضطراب اپنا

کھلے ہوئے ہیں دریچے لحد میں جنت کے
دکھا رہا ہے اثر سوزِ کامیاب اپنا

یہ انفعال تھا اصغرؑ کی تشنہ کامی سے
چھپائے بیٹھے تھے دریا میں سر حباب اپنا

سلام اور پھر ایسی زمین میں ہو سلام
نصیرؔ جوش میں ہے عشقِ بوترابؑ اپنا

یا غبارِ رہِ جاناں نہ بنایا ہوتا
یا مجھے عشق کا بندا نہ بنایا ہوتا

عشق کو حسن سے بیگانہ بنایا ہوتا
حسن کو عشق کا دیوانہ بنایا ہوتا

دل کو آباد کیا بھی تو غم و حرماں سے
ایسی بستی سے تو ویرانہ بنایا ہوتا

گر تمنائے رخ و زلفِ بتاں دینی تھی
تو مجھے آئینہ و شانہ بنایا ہوتا

وقف کرتے مری نظروں کے لیے سب جلوے
یا مجھے آپ نے اپنا نہ بنایا ہوتا

دے کے مجکو سبقِ شیوۂ تسلیم و رضا
ہر غم و عیش سے بیگانہ بنایا ہوتا

رہ گئی حسرتِ پابوسیِ ساقی یارب
مجھے خاکِ درِ میخانہ بنایا ہوتا

آنکلتا جو چمن میں کہیں وہ مستِ شباب
ایک اک پھول کو پیمانہ بنایا ہوتا

امتیازِ حق و باطل کی وضاحت کے لیے
پاس کعبے کے صنم خانہ بنایا ہوتا

یا مرے خانۂ ارماں کو مٹا ہی دیتے
یا اسے حسن کا کاشانہ بنایا ہوتا

وہ سرِ بزم جو بے پردہ کہیں آجاتے
شمع محفل کو بھی پروانہ بنایا ہوتا

ان کی باتوں کی حقیقت کو سمجھتا جو نصیر
ایک اک لفظ کو افسانہ بنایا ہوتا

فروغِ مہر تھا جب تک وہ بے نقاب نہ تھا
پھر آفتاب کو دیکھا تو آفتاب نہ تھا

عدو کی بوالہوسی چل سکی نہ عشق مرا
تمھاری بزم میں کوئی بھی کامیاب نہ تھا

ہی انتشارِ جہاں میری شورہ بختی سے
جو میں نہ تھا تو زمانے کو انقلاب نہ تھا

خط ان کا دیکھ کے بس بند ہوگئیں آنکھیں
مری اجل تھی مرے نامے کا جواب نہ تھا

فراق و ہجر کے افسانۂ الم کے سوا
کتابِ عشق میں کوئی بھی اور باب نہ تھا

مرے گناہوں نے محشر میں رکھ لی میری شرم
کہ میرے نامۂ اعمال کا جواب نہ تھا

نصیر محفلِ رنداں ہو یا ہو محفلِ وعظ
کہاں یہ تذکرۂ ساغر و شراب نہ تھا

جب جوانی کا مزا جاتا رہا — زندگانی کا مزا جاتا رہا

آ گیا اے سننے والے غش تجھے — لن ترانی کا مزا جاتا رہا

مست کے سب یار ان ہمدم اٹھ گئے — شادمانی کا مزا جاتا رہا

میہماں ہونے لگے غیروں کے وہ — میزبانی کا مزا جاتا رہا

باتیں بت کرنے لگے جس روز سے — بے زبانی کا مزا جاتا رہا

زندۂ جاوید ہم مر کر ہوئے — عمر فانی کا مزا جاتا رہا

تشنہ لب سید ہوا جب سے شہید — تب سے پانی کا مزا جاتا رہا

عام جب سے ہو گیا ان کا کرم — مہربانی کا مزا جاتا رہا

چھوڑو ذکر عشق پیری میں نصیر
اس کہانی کا مزا جاتا رہا

تری بزم سے جو مری جان نکلا — وہ میری طرح سے پریشان نکلا

دم صبح اس بت کے زینت کدے میں — گیا آئنہ اور حیران نکلا

نہ کر شرم زاہد اگر بت کدے سے — گیا لے کے دل، دے کے ایمان نکلا

نہ نکلا ترے قلب محفل سے دشمن — یہ کم بخت بھی میرا ارمان نکلا

نصیر اس صنم کو سمجھتے تھے کافر
حقیقت میں وہ تو مسلمان نکلا

خار سے پوچھ ماجرا دامن تار تار کا — دھو کے ابھی اٹھا ہوں میں قیس کے کوہسار کا

ناحق و حق کی بحث اب قتل کے بعد ہے عبث
اس نے خیال تو کیا اپنے امیدوار کا

داغ پہ داغ کھائے ہیں، زخم پہ زخم اٹھائے ہیں
پھر بھی وہی ہے حوصلہ میرے دلِ فگار کا

عشق کا مقتضا یہ ہے، حوصلہ وفا یہ ہے
ناز اٹھائے جائیے یارِ ستم شعار کا

رات جو وہ مہ منیر سامنے آگیا نصیر
داغ سا اک چمک اٹھا سینۂ داغ دار کا

دشمنِ جانِ آرزو ہوگا نہ کوئی پارسا
جس کی نگاہِ قہر میں ہوں میں گناہ گار سا

ہوگا نہ باغِ حسن میں کوئی ترے نگار سا
لاکھ ہو غیرتِ چمن، لاکھ ہے بہار سا

شیشے میں تم سے آتی ہے، جام سے منہ میں آتی ہے
شرم سے ہے عرق عرق - دخترِ رز ہی پارسا

دل ہی مرا ہے بالیقیں - میرا گماں غلط نہیں
ہاتھ میں وہ لیے ہیں کیا لالۂ داغ دار سا

سینے پہ رکھ کے ہاتھ کیوں پوچھ رہے ہو حالِ دل
کل کی طرح نہیں ہے درد آج ہے کچھ قرار سا

شکوۂ دل ربا نہیں، چرخ کا بھی گلا نہیں
مجھکو تو ہو چلا ہے اب جبر پہ اختیار سا

کون سہے اٹھائے کون، میرے سوا زمانے میں
درد مثالِ دردِ دل، غم غمِ انتظار سا

لالہ رخوں کی آنکھ میں پھر بھی کھٹک رہے ہیں ہم
سوکھ کے ہوگیا ہے گو جسمِ نحیف و زار سا

حشر ہوا تو کیا ہوا میں تو وہی ہوں کل جو تھا
دیدۂ شوخ کیوں ترا مجھ سے ہے شرمسار سا

دل پہ غمِ فراق میں تم نے دیا تھا داغ جو
قبر میں جل رہا ہے وہ شمع سر مزار سا

عشق کا جوش اب کہاں بعد شباب و نصیر
نشہ جو تھا اتر گیا باقی ہے کچھ خمار سا

امید اجر الفت کی کیا خاک ہوگی جو اتنا بھی تم سے نہ اے جان ہوگا
میں جینا نہیں چاہتا قتل کر دو تمھارا بڑا مجھ پہ احسان ہوگا

قیامت کی دھمکی اسے دے رہا ہی نہ دنیا میں دل سا بھی نادان ہوگا
وہ بے باک دنیا میں نادم نہیں ہی تو محشر کے دن کیا پشیمان ہوگا

وہی خوں گرفتہ وہی خوں رسیدہ کرے گا مرے بعد تم سے محبت
جسے زندگی اپنی دشوار ہوگی جسے جان دینے کا ارمان ہوگا

جو مرنا تھا کچھ اور تدبیر کرتے گلا اپنا ہم زیر خنجر نہ رکھتے
یہ معلوم کیا تھا کہ قاتل ہمارا ہمیں قتل کر کے پشیمان ہوگا

مکر جا مجھے قتل کر کے مکر جا، چھڑا لے مرے ہاتھ سے دامن اپنا
قیامت نہیں ہی بہت دور ظالم مرا ہاتھ تیرا گریبان ہوگا

اگر دل کے بدلے ملے داغ الفت تو سمجھو کہ ہی یہ برابر کا سودا
نہ گاہک کو مہنگا نہ بائع کو ٹوٹا نہ کچھ نفع ہوگا نہ نقصان ہوگا

تجھی پر الٹ کر پڑا تیرا جادو ترا حال برہم ہی کیوں شکل گیسو
میں کہتا تھا مجھ کو پریشاں نہ کر تو پریشان کر کے پریشان ہوگا

نصیر ایک مدت سے گھر بار چھوڑے پڑے ہیں اس امید پر بتکدے میں
اگر کفر ٹوٹا تو یاں کا پجاری برہمن کے بدلے مسلمان ہوگا

	ساتھ ہی انقلاب آپہونچا	اس حسیں کا شباب آپہونچا	

نامہ بر کامیاب آپہونچا — میرے خط کا جواب آپہونچا
حشر ہیں ہوگا حشر برپا اور — وہ اگر بے نقاب آپہونچا
مجکو محفل میں دیکھ کر بولے — لو وہ خانہ خراب آپہونچا
صبح حسرت کی شام ہوتی ہی — لبِ بام آفتاب آپہونچا
آپ کی بزم اور شرکتِ غیر — یہ کہاں کا عذاب آپہونچا

آنکھ کھولو نصیر اُٹھ بیٹھو
لو وہ مستِ شباب آپہونچا

جب یار نے نگاہ کو پیکاں بنا دیا — ہم نے بھی ہر نفس کو رگِ جاں بنا دیا
جب خوگرِ اذیتِ دوراں بنا دیا — فطرت نے میرے درد کو درماں بنا دیا
باقی رہے تھے دل میں سوا تیرے جو خیال — ان سب کو ہم نے خوابِ پریشاں بنا دیا
فطرت نے کی جو آگ عناصر سے مشتعل — اس آگ سے مرا دلِ سوزاں بنا دیا
یہ کیا کہا کہ نجد میں صحرا نورد بن — ہم وہ ہیں جس نے گھر کو بیاباں بنا دیا
میں حال دل سنا کے تھیں منفعل تھا آپ — اب تم نے ہنس کے اور پشیماں بنا دیا
ہم اس نگاہ ناز کو سمجھے تھے نیشتر — تم نے تو مسکرا کے رگِ جاں بنا دیا
احساسِ ہجر و وصل بھی باقی نہیں رہا — ایسا خیالِ دوست نے حیراں بنا دیا
وہ سوز شیں نظامِ جہاں جن کے دم سے ہے — جب مختصر ہوئیں انھیں انساں بنا دیا
یہ بھی ستم ظریفیِ قدرت ہی اے نصیر — اک مجھ سے مشتِ خاک کو انساں بنا دیا

خیالِ یار جیتے جی نہ میرے دل سے نکلے گا
میں سچ کہتا ہوں مرکر بھی بڑی مشکل سے نکلے گا

یہ کانٹا جان ہی لے کر دلِ بسمل سے نکلے گا
تری ترچھی نظر کا تیر ہے مشکل سے نکلے گا

نہیں ممکن کسی سے چارہ سازی دردِ الفت کی
ہمارا کام تو بس خنجرِ قاتل سے نکلے گا

جفا جو سے وفا جو رحم کی کوشش
بھلا کیا فائدہ اس سعیِ لاحاصل سے نکلے گا

اگر میں چھیڑ دوں گا قصۂ غم ان کی مجلس میں
یقیں ہے غیر بھی روتا ہوا محفل سے نکلے گا

سوالِ وصل پر بولے تو وہ جھنجھلا کے یہ بولے
تمھارے دل میں جو ارمان ہے مشکل سے نکلے گا

فغاں کیسی، کہاں کا شکوۂ جورِ بتاں ہمدم
مرے منہ سے تو حرفِ شوق بھی مشکل سے نکلے گا

غرورِ حسن کا صدقہ ذرا اتنا تو بتلا دو
کہ میرا بھی کبھی ارمان میرے دل سے نکلے گا

ہلا دے گا یقیناً ساکنانِ عرشِ اعلیٰ کو
وہ نالہ جو نصیرِ ناتواں کے دل سے نکلے گا

یا تمھارے حجاب نے مارا	یا مجھے اضطراب نے مارا
تم سے شکوہ نہیں کہ مجکو تو	دلِ خانہ خراب نے مارا
کھیل سمجھا تھا دل لگانے کو	ہائے عہدِ شباب نے مارا
ہوگیا خون دل میں حسرت کا	تیرے رخ کی نقاب نے مارا
اختلافات عاشقوں میں ہوئے	سب کو ان کے حجاب نے مارا

وہ نہ ملتے نصیر کیا غم تھا
غیر کے انتخاب نے مارا

چل دئے ہوش و خرد بھی جب دلِ مضطر چلا	خانماں برباد کے ہمراہ گھر کا گھر چلا
میں رہِ الفت میں اکثر گر پڑا، اکثر چلا	کیا کہوں کیوں کر گرا، کیوں کر اٹھا، کیوں کر چلا
جو چلا اٹھ کر وہ مست و بے خبر ہو کر چلا	اُن کی بزم ناز میں کس شان سے ساغر چلا
مجکو بسمل چھوڑ کر، مجکو تڑپتا چھوڑ کر	کس طرف خنجر بکف سفاک غارت گر چلا
واہ رے جوشِ جنوں اللہ رے وحشت کا زور	میرے ہاتھوں سو جگہ سے دامنِ محشر چلا
چشمِ مستِ ناز کی ہلکی سی جنبش چاہیئے	میں نہیں کہتا کہ تو اے نازنیں خنجر چلا
تشنہ کامانِ محبت گر پڑے ہلچل پڑی	کس نے اس سے کہدیا ساقی اٹھا ساغر چلا
کون مجرم تھا سزائے جرم کس کے سر پڑی	آنکھ نے دیکھا انھیں اور حلق پر خنجر چلا
آرزوئے زندگانی موت کی تمہید تھی	زندگی پر رونے والا اپنے ہاتھوں مر چلا
قید سے چھوٹے ہوئے آزاد پابندِ جنوں	شوق پھر ہم کو بیاباں کی طرف لے کر چلا

محفلِ ہستی میں چھوڑی سرگزشتِ عشق و غم
حشر میں برپا نہ کردے حشر بے تابی مری

ایک داغِ آرزو دنیا سے میں لے کر چلا
اب مجھے لینا کہ میں اے داورِ محشر چلا

تھی مجھے ملکِ عدم کی راہ طے کرنی نصیرؔ
اس لیے میں خاکساروں کی طرح جھک کر چلا

دل نہیں جس میں تو مکیں نہ ہوا
یا ترا درد دل نشیں نہ ہوا

تم بھی میری خوشامدیں کرتے
میرے بس میں دلِ حزیں نہ ہوا

روزِ حشر اور وعدۂ دیدار
کیا وہاں ہوگا جب یہیں نہ ہوا

دل کسی اور سے لگا لیتے
تم سا پیدا کوئی حسیں نہ ہوا

نہ جھکی آگے غیر کے گردن
سجدہ شرمندۂ جبیں نہ ہوا

آسماں بن گئی زمیں اٹھ کر
جھک کے بھی آسماں زمیں نہ ہوا

رنج و غم میں بھی شاد شاد رہا
کبھی محزوں دلِ حزیں نہ ہوا

دھجیاں اڑ گئیں نصیرؔ مگر
چاکِ دل چاکِ آستیں نہ ہوا

ہو کے شاداں نہ ملا ہو کے پریشاں نہ ملا
دل، نہ ملنا تھا بتوں سے کسی عنواں نہ ملا

بت کدے میں تو برہمن نظر آئے لاکھوں
آہ مسجد میں ہمیں ایک مسلماں نہ ملا

کیا ملا کیا نہ ملا بخت کی خوبی دیکھو
درد تو دل میں ملا صاحبِ درماں نہ ملا

شوق نے اٹھ کے کہا میں ہوں ترا راہ نما
جب کوئی راہ برِ کوچۂ جاناں نہ ملا

داغ دینے کو بہار آئی کہ ہم مستوں کو
جام و مینا نہ ملا صحنِ گلستاں نہ ملا

تھی فقط نجد کی تعریف ہی تعریف نصیرؔ
میری وحشت کے لیے کوئی بیاباں نہ ملا

جب آئے ہو کہ زیست کا امکاں نہیں رہا
اب میرا درد قابلِ درماں نہیں رہا

اے وصفِ ظلمتِ شبِ ہجراں معاف کر
مجھ کو خیالِ زلفِ پریشاں نہیں رہا

اے جوشِ دست بردِ جنوں معترض ہیں وہ
ہاں امتیازِ جیب و گریباں نہیں رہا

مجنوں گیا تو دشت میں آئے قدم مرے
خالی جنوں زدوں سے بیاباں نہیں رہا

بدلی جمالِ یار نے ہر روز ایک نقاب
پھر بھی مری نگاہ سے پنہاں نہیں رہا

چاکِ قفس سے دیکھ کے کہتی ہے عندلیب
یا میں نہیں ہوں یا وہ گلستاں نہیں رہا

جب سے ملی فراق کی لذّت ہمیں نصیرؔ
دل کو وصالِ یار کا ارماں نہیں رہا

میں قتل ہو گیا تو شہیدوں میں جا ملا
تم نے جو مجھ کو قتل کیا تم کو کیا ملا

کیا پوچھتے ہو مجھ سے گلے مل کے کیا ملا
تم مل گئے، مراد ملی، مدّعا ملا

تجھ پر تو جان دیتے ہیں دلدادگانِ عشق
تیرا بھی دل کسی سے بتِ بے وفا ملا

کشتی شکستگاں کا کوئی آشنا نہ تھا
طوفانِ غم میں ہم کو خدا نا خدا ملا

اک جانِ ناتواں کے ہزاروں ہیں مدّعی
یا رب ہمیں نہ کیوں دلِ بے مدّعا ملا

ایماں حضور ہی کا گیا ہوگا شیخ جی
ہم کو تو ان بتوں کی بدولت خدا ملا

لے آئی زلفِ یار سے نکہت اڑا کے تو
شاباش مجھ سے ہاتھ تو بادِ صبا ملا

کیا صحت و سکوں کی ضرورت ہی چارہ گر
بڑھ جائے درد، درد میں ایسی دوا ملا

دارو ہے تلخ اور یہ میٹھی کہ لب ہیں بند
ساقی ہے اس میں خندۂ دنداں نما ملا

بھٹکا کیا ہمیشہ طریقِ مجاز میں
گم کردہ راہِ عشق جسے رہنما ملا

جانِ جہاں کہوں تجھے اور کیا کہوں
مجھ کو تو جو ملا وہ ترا مبتلا ملا

اس کی رہِ تلاش میں ہم ایسے گم ہوئے
اس کا پتا ملا نہ پھر اپنا پتا ملا

آخر ملا تو۔ تو ہی ملا اپنی شان کا
تجھ سا جہاں میں کوئی نہ تیرے سوا ملا

کیا احتیاج ہم کو کسی شے کی اے نصیر
سب کچھ ملا اگر دلِ دردِ آشنا ملا

کہوں کس طرح حال دردِ نہاں کا
یہ افسانۂ غم ہے اک بے زباں کا

کھلے گی حقیقت وفائے عدو کی
ذرا وقت آنے تو دو امتحاں کا

وہ عہدِ جوانی۔ وہ شوقِ نظارہ
کبھی اس کو تاکا، کبھی اس کو جھانکا

وہی زندگی میں وہی بعد مردن
شکایت زمیں کی گلہ آسماں کا

دعا تیرے سوفار کو دے رہا ہے
یہ زخمِ جگر تھا دہن بے زباں کا

نصیر ایسی افتاد مجھ پر پڑی ہے
زمیں پر گماں ہے مجھے آسماں کا

حوصلہ سب کا بقدرِ وسعتِ پیمانہ تھا
اور میں وہ تھا کہ میرے جام میں میخانہ تھا

میرے دم سے نام روشن کفر و ایماں کا ہوا
مجھ سے پہلے گل چراغِ کعبہ و بت خانہ تھا

کر دیا تجھ کو نیازِ عشق نے ناز آشنا
ورنہ تو پہلے ادائے حسن سے بیگانہ تھا

مجھ سے پوچھو تو بتا دوں میں کہ لیلیٰ کون ہے
قیس کا مذکور کیا ہے قیس تو دیوانہ تھا

پھر سے کچھ تم ہو گئے ہو کیا سے کیا ہم ہو گئے
وہ تماشا عشق میں دیکھا کہ جو دیکھا نہ تھا

عاشقوں سے احترامِ اشکِ جاناں پوچھیے
آنسوؤں سے شمع کے تر دامنِ پروانہ تھا

غیر ممکن ہے کہ ظلم و جور کی شہرت نہ ہو
اہلِ محشر کی زبانوں پر ترا افسانہ تھا

جان لیتی تھی کسی کے پاؤں کی لغزش نصیر
میں نثارِ ہر ادائے جلوۂ مستانہ تھا

خراباتِ جہاں میں کیا ہے جینا اور مرجانا
خمارِ بادۂ ہستی کا چڑھنا اور اتر جانا

سیہ بختی ہماری کائناتِ غم میں شامل تھی
کہ ہم نے شام کے تارے کو بھی نجمِ سحر جانا

اگر صبحِ وطن کی یاد آئی شامِ غربت میں
تو ہم نے چاکِ دامن کو گریبانِ سحر جانا

نہ ڈر اے دل ذرا بھی تو جزیرِ بحرِ الفت سے
کہ اپنا غرق ہو جانا ہے گویا پار اتر جانا

نصیر اللہ نے ثابت قدم رکھا محبت میں
نہ ہم نے دل کو دل جانا نہ ہم نے سر کو سر جانا

بہت دشوار ہے میرے شبِ غم کی سحر ہونا
نہ ممکن ہے ادھر ہونا نہ ممکن ہے ادھر ہونا

پڑے دل دامن پہ اڑ کر وہ جو ٹپکے ہیں کبھی آنکھوں
پسِ مردن مرا کام آئے خاکِ رہگزر ہونا

چمن میں آج پر نرے اڑ رہے ہیں ہم صفیروں کے
قفس والے غنیمت تھا ترا بے بال و پر ہونا

یہ جوشِ شوق تھا یا رشک تھا، ای دل تو بتا ہی
کہ خود ہی نامہ لکھنا اور خود ہی نامہ بر ہونا

نصیر ان سے کہے گا کیا مری رودادِ غم قاصد
مجھی سا چاہیے میرے لیے پیغام بر ہونا

بے قراری حد سے جب گزری قرار آیا تو کیا
نزع میں بہرِ عیادت وہ نگار آیا تو کیا

اب نہ شیشہ ہے، نہ ساغر ہے، نہ بزمِ میکدہ
ہجرِ ساقی میں اگر ابرِ بہار آیا تو کیا

اپنے بس میں جب نہیں کیا اس کا آنا ای نصیر
ایک بار آیا تو کیا یا لاکھ بار آیا تو کیا

تو زندگی ہے تیرا مجھے اعتبار کیا
عہدِ وفائے زندگیِ مستعار کیا

کیوں کر حریمِ ناز کا پردہ اٹھائیں وہ
اے بے خودیِ شوق ترا اعتبار کیا

یہ تو تمھارے حسنِ نظر پہ ہے منحصر
میرے ریاضِ دل کی خزاں کیا بہار کیا

اس کو بھی ٹھوکروں سے مٹا دے ستم شعار
جب ہم نہیں رہے تو ہمارا مزار کیا

کیوں جلد جلد جاتے ہو دامن کشاں کشاں
اس خاکِ ناتواں سے اٹھے گا غبار کیا

سینے پہ کوئی دستِ تسلی نہ رکھ سکے
اتنا بھی اضطرابِ دلِ بے قرار کیا

دیکھے ہوئے ہیں آنکھیں کسی فتنہ گر کی ہم
اپنے لیے ہے گردشِ لیل و نہار کیا

جب بہرِ فاتحہ وہ نہ آئے تو ای نصیر
لائیں گے چادرِ گل و شمعِ مزار کیا

جذبِ دل نے کس کی آمد کا دیا پیغام تھا
آج مجھ کو صبح ہی سے انتظارِ شام تھا

ہو گیا ممنون ان کی آخری بیداد کا
اک نشانِ قبر میرا جو برائے نام تھا

قتل ہونے پر مرے۔ خنجر کے جوہر کھل گئے
یعنی وہ جوہر نہ تھے حرفوں میں میرا نام تھا

ساقیا منت کشانِ مے ہیں بیٹھے بزم میں
اُٹھ گیا محفل سے وہ لبریز جس کا جام تھا

اُف وہ سختیِ مزاجِ پاسبانِ کوئے دوست
آدمی کاہے کو تھا سنگِ درِ اصنام تھا

جلوے رنگا رنگ کے زیبِ نظر تھے عشق میں
نقشِ عالم اک فریبِ ہستیِ اوہام تھا

میرے حق میں آج یہ صرفِ دعا ہیں شکر ہے
کل انہیں ہونٹوں سے میں لذت کشِ دشنام تھا

دشت گردی میں تھیں مجھ کو عشق کی پابندیاں
جادۂ راہِ محبت حلقۂ صد دام تھا

میری آنکھوں سے انھیں کب دیکھ سکتا تھا کوئی
دید میری خاص تھی اور ان کا جلوہ عام تھا

شمع روشن ہوتے ہی پروانے صدقے ہو گئے
وصل گویا دل جلوں کو موت کا پیغام تھا

صرف گھر سے بتکدے تک راہ تھی مشکل گزار
بتکدے پہنچے تو پھر بامِ حرم دو گام تھا

ابتدائے عاشقی تھی انتہائے عاشقی
عاشقی میں کام کا آغاز ہی انجام تھا

آج کس نے کر دیا جلوے کو تیرے بے حجاب
کل تو میرے دستِ شوقِ دید پر الزام تھا

مانعِ دیدار شرمِ معصیت تھی اے نصیر
ورنہ محشر میں تو جلوے کا نظارا عام تھا

بزمِ دشمن تک آ کے لوٹ گیا
شعلہ خرمن تک آ کے لوٹ گیا

غنچے افسردہ، مضمحل ہیں پھول
کون گلشن تک آ کے لوٹ گیا

رہ گزر میں کسی کی میرا غبار
سمِ توسن تک آ کے لوٹ گیا

آہ بے سود ہو گیا مرنا
کوئی مدفن تک آ کے لوٹ گیا

کوئی تو پیچ پڑ گیا جب تو
ہاتھ گردن تک آ کے لوٹ گیا

جھانک کر ان کو دیکھنے کے لیے
چاند روزن تک آ کے لوٹ گیا

زخمِ منت کشِ رفو نہ ہوئے
رشتہ سوزن تک آ کے لوٹ گیا

پاسِ رسوائی تھا کہ میرا خون
ان کے دامن تک آ کے لوٹ گیا

برق چمکی جھپک گئیں آنکھیں
کون چلمن تک آ کے لوٹ گیا

بارہا بے خودی میں وحشت کی
ہاتھ دامن تک آ کے لوٹ گیا

نالہ، کر کے وفا کا پاس نصیر
لبِ شیون تک آ کے لوٹ گیا

بحرِ غم کی کش مکش میں کیا مرے دل نے کیا
اپنے پہلو سے جدا کیوں مجھ کو ساحل نے کیا

اس میں میری کیا خطا تھی جو کیا دل نے کیا
مجھ کو آوارہ اسی آوارہ منزل نے کیا

کیا مری آنکھوں نے آخر کیا مرے دل نے کیا
تم کو رسوا خود تمھارے حسنِ کامل نے کیا

تکملہ وحشت کا آوازِ سلاسل نے کیا
میری ہر مشکل کو آساں میری مشکل نے کیا

قتل گاہِ ناز پر ہوتا ہی گلشن کا گماں
ذرّے ذرّے کو گلستاں خونِ بسمل نے کیا

ڈھونڈنے والوں سے کوسوں دور منزل ہو گئی
کیا غضب یہ امتیازِ حق و باطل نے کیا

پوچھتے کیا ہو کہ شامِ غم بسر کیوں کر ہوئی
جو نہ کرنا چاہیے تھا وہ مرے دل نے کیا

طالبِ درماں ہوا لذّت کشِ ایذا کبھی
تم سے کس دن درد کا شکوہ مرے دل نے کیا

اپنی بربادی کا شکوہ تم سے میں کرتا رہوں
تم یہی کہتے رہو دل نے کیا دل نے کیا

مجھ کو رہزن پہ ہوا رہبر کا دھوکا ای نصیرؔ
گم مجھے راہِ طلب میں گردِ منزل نے کیا

(ب)

غم ہیں دونوں ہیں ہم کو صورتِ شب
جلوۂ صبح اور ظلمتِ شب

دی ہے پھر روزِ غم نے دعوتِ شب
آج پھر ہم ہیں اور صحبتِ شب

ہم ہیں اور انتظارِ رخصتِ شب
سو گئے وہ جگا کے قسمتِ شب

دیکھیے اس کا طول فرقت میں
ہے قیامت سے بڑھ کر قامتِ شب

ہم منالیں گے رو کے صبح انھیں
دن کو ڈھل جائے گی کدورتِ شب

دل طلبگار ہی ہوم راحت کا
درد کو ناگوار فرقتِ شب

صبح تک جان لے کے جائے گی
میرے ہی ساتھ ہو گی رحلتِ شب

آپ ہوتے اگر تو رو دیتے
کیا کہوں ہجر میں مصیبتِ شب

چاند رخ کی بلائیں لیتا تھا
اللہ اللہ اس کی زینتِ شب

دن کو کیا کیا مزے نہیں دیتی
یاد آ کر بہارِ صحبتِ شب

تارے چھپنے لگے نسیم چلی
دیکھیے اہتمامِ رخصتِ شب

میرے وحشت کدے میں آئی ہے
اے نصیر آگئی ہے شامتِ شب

(ج)

لائقِ نظارہ ہے یہ شوخیٔ مستانہ آج
ہم سے ملتی ہے نگاہِ یارِ بیباکانہ آج

اُٹھ گئی ہے کیا نقابِ عارضِ جانانہ آج
شمعِ محفل کی طرف جاتا نہیں پروانہ آج

کیا اشارے کر گئی وہ نرگسِ مستانہ آج
بے پیے سرشار ہے میخانہ کا میخانہ آج

مہرباں تھے آپ تو سارا جہاں تھا مہرباں
اب خفا ہیں آپ تو اپنا بھی ہے بیگانہ آج

اس بہارِ گل میں توبہ ہی نہ ٹوٹے گی فقط
توڑ دیں گے بادہ کش قفلِ درِ میخانہ آج

اُف یہ فرطِ ناتوانی اور عزمِ کوئے دوست
دیکھنا ہے ہم کو جوشِ ہمتِ مردانہ آج

حضرتِ زاہد مبارک آپ کو طوفِ حرم
کعبۂ عشاق ہے سنگِ درِ جانانہ آج

شوق کی وارفتگی نے کر دیا افشائے راز
آگیا لب پر کسی کا نام بے تابانہ آج

پھر ذرا شمعِ تجلّی کو فروزاں کیجئے
جھلملاتا ہے چراغِ کعبہ و بت خانہ آج

کیا نگاہِ نازِ دلبر مائلِ الطاف ہے
کیوں بڑھا جاتا ہے دستِ شوقِ گستاخانہ آج

پھر مجھے کرنا پڑے گی التجائے پاسباں
پھر مجھے یاد آرہا ہے کوچۂ جانانہ آج

حشر برپا ہے تمناؤں کی دنیا میں نصیر
لے چلا ہے کس طرف ہم کو دلِ دیوانہ آج

(ح)

قصیدہ

در نعت حضرت خاتم الانبیا صلّی اللہ علیہ وسلّم

ہے تری مست نگاہوں سے بھری جام میں روح
ورنہ پہلے تھی کہاں بادۂ گلفام میں روح

تازگی پائے نہ کیوں قلب سے آشام میں روح
تو نے دوڑائی ہے میخانۂ اسلام میں روح

منکشف تجھ سے ہوا رازِ نَفَخْتُ فِيهِ
تیرے آغاز سے ہے خلق کے انجام میں روح

اہلِ میخانہ نے پائی ہے حیاتِ تازہ
تیرے ایثار سے ہے خاص میں جاں عام میں روح

فرش تیرے لیے سبزوں کا بچھا رکھا ہے
پائے کیوں کر نہ فضا باغ کی انعام میں روح

مارنا بھی ترا رکھتا ہے جلانے کا اثر
تیرے ہر کام میں اک روح ہے ہر نام میں روح

تو نے بخشی ہے الم کو بھی خوشی کی تاثیر
مرحبا دوڑ گئی حرفِ الف لام میں روح

خیر مقدم کی ترے اتنی خوشی ہے کہ نہ پوچھ
آج مسرور ہے کیا کیا دلِ ناکام میں روح

تیرے ملنے کی جو امید ہوئی بعد فنا
مجھے محسوس ہوئی موت کے پیغام میں روح

تیری توصیف میں مضمون کا القا ہو نہ کیوں
پھونک دیتا ہے خدا قالبِ الہام میں روح

مطلع

دم قدم سے ہے ترے گردشِ ایام میں روح
پیکرِ صبح میں جاں ہے جسدِ شام میں روح

تیرا وصفِ لبِ جاں بخش جو تحریر کیا
آگئی از سرِ نو پیکرِ ارقام میں روح

تیرے اعجازِ تکلم کی یہ ادنیٰ ہے مثال
رقص کرتی ہے ترے حکم سے ہر کام میں روح

نقش پا کرتے ہیں باتیں یہ ہے اعجازِ خرام
پڑتی جاتی ہے ترے فیض سے ہر گام میں روح

تیری تقریر میں اعجاز ہے - الفاظ میں حُسن
تیری آواز میں جادو - ترے پیغام میں روح

لبِ جاں بخش سے نکلا سخنِ نیک سدا
کبھی ڈالی نہیں تو نے تنِ دشنام میں روح

نغمہ سنجانِ چمن ہی نہیں تجھ سے دل شاد
خوش ہے مرغانِ گرفتار کی بھی دام میں روح

تیری مدحت میں گزرتا ہے مرا وقت اچھا
شاد رہتی ہے ہمیشہ مری اس کام میں روح

مر کے بھی شاد رہا تیری محبت میں نصیرؔ
قبر میں بھی ہے ترے لطف سے آرام میں روح

(ر)

کچھ زور ہے خزاں پہ نہ قابو بہار پر
بلبل رہے چمن میں تو کس اعتبار پر

بجلی گرے گی اور دلِ بے قرار پر
وہ ہنس رہے ہیں گریۂ بے اختیار پر

سہتے نہ اتنے ظلمِ بتاں جانِ زار پر
قابو مگر نہیں دلِ بے اختیار پر

دامن بچا بچا کے چلے خاکِ گور سے
ان کو مرا گمان ہے میرے مزار پر

زاہد اگر تجھے ہے قیامت کا ڈر تو ہو
میری نظر ہے رحمتِ پروردگار پر

سیرِ چمن کا لطف تمہاری خوشی سے ہے
موقوف ہے خزاں پہ نہ فصلِ بہار پر

اللہ رے جلوہ، شمع مقابل جو آ گئی
پروانے سارے جھک پڑے رخسارِ یار پر

قدموں کے نیچے فتنۂ محشر لیے ہوئے
وہ آ رہے ہیں آج ہمارے مزار پر

صیاد جب چمن بھی چھٹا آشیانہ بھی
پھر ہم کو کیا رہے نہ رہے اپنے چار پر

پابندیٔ وفا کی قسم کھا رہا ہوں یوں
رکھتا ہوں ہاتھ مصحفِ رخسارِ یار پر

میں اور کہاں صدارتِ بزمِ سخن نصیرؔ
یہ ہے کرم حفیظؔ کا اس خاکسار پر

یہاں رہ کر، وہاں رہ کر، ادھر ہو کر ادھر ہو کر
مرے گھر آج آئے بھی تو وہ غیروں کے گھر ہو کر

جگر کے زخم افسانہ کہیں گے کاوشِ دل کا
وہ دیکھو ناوکِ یار آ رہا ہے چارہ گر ہو کر

جوابِ خط نہیں آتا تو پھر اب کیا جواب اس کا
گئے ہم ان کے گھر تک بارہا خود نامہ بر ہو کر

جگر میں چند قطرے خون کے جو بے حقیقت تھے
نہ ہے قسمت کہ ان کا تیر نکلا ان میں تر ہو کر

نصیرؔ اعجازِ شانِ مصطفائی پوچھتے کیا ہو
رہا بستر بھی گرم اور آ گئے وہ عرش پر ہو کر

لگا نا تیر اے قاتل سمجھ کر
مری مقدارِ شوقِ دل سمجھ کر

وہی پہلو میں نکلا دشمنِ جاں
جسے پالا تھا ہم نے دل سمجھ کر

یہ محشر ہے ہمیں محشر سے کیا کام
ہم آئے تھے تری محفل سمجھ کر

نہ سمجھے تھے اٹھائے جائیں گے ہم
لحد میں سوئے تھے منزل سمجھ کر

نصیرؔ اٹھا قدم لینے کو مجنوں
غبارِ قیس کو محمل سمجھ کر

سلام

حیاتِ جاوداں پائی شہیدوں نے فنا ہوکر
کیا ہے نام زندہ کشتۂ راہِ خدا ہوکر

کوئی مرنے کی لذت اصغرِ بے شیر سے پوچھے
گلے سے زہر اترا تیر کا آبِ بقا ہوکر

نبی کی آل پر حق نے سخاوت ختم فرمادی
کیا کرتے تھے فاقے صاحبِ جود و عطا ہوکر

دغا میں طرۂ گیسوئے اکبرؓ کھل گیا جس دم
لگی بادِ سموم کربلا چلنے صبا ہوکر

رسولِ پاک کے نورِ نظر کو قتل کر ڈالا
قیامت ہے یہ سختی امتِ خیرالوریٰ ہوکر

لیے جاتی ہے فوجِ اشقیا میں موت اصغر کو
کنارِ شاہ میں جاتے ہیں جینے سے خفا ہوکر

صبا کی چشمکیں ہیں اب نسیمِ باغِ جنت سے
بہت اترا رہی ہے خاکِ درِ کربلا ہوکر

نصیرؔ اغیار کی خاطر اٹھائیں سختیاں پیہم
پسے قسمت سے ہم رزقِ دہانِ آسیا ہوکر

ہوں مرگ و زیست دونوں سے غافل ترے بغیر
اب میں نہیں رہا کسی قابل ترے بغیر

ناآشنا خوشی سے ہوا دل ترے بغیر
محفل نہیں رہی مری محفل ترے بغیر

جب تو نہیں تو چاندنی راتیں ہیں بے سرور
بے کیف سیرِ کشتی و ساحل ترے بغیر

صحرا ہو، صحنِ باغ ہو یا کوہسار ہو
لگتا نہیں کہیں بھی مرا دل ترے بغیر

دنیائے آرزو کی وہ رونق نہیں رہی
اجڑی ہوئی پڑی ہے یہ منزل ترے بغیر

کیسی بہار شیشہ و پیمانہ و سبو
سونی ہے مے فروش کی محفل ترے بغیر

بے لطف ہیں طیورِ گلستاں کے چہچہے
ہے ناگوار شورِ عنادل ترے بغیر

دل بھی ہے داغ دار جگر بھی ہے داغ دار — پر وہ تڑپ نہیں مرے قاتل ترے بغیر

دردِ دلِ نصیر بدستور ہے مگر
باقی رہا نہ درد کا حاصل ترے بغیر

کروں میں شرحِ سوزِ غم اگر رنگِ فغاں لے کر — نکل آئیں دہن سے آگ کے شعلے زباں لے کر

نہ کرنا پھر کسی کی دل نوازی میری جاں لے کر — تمھیں بھی امتحاں دینا پڑے گا امتحاں لے کر

نہ بت ہی دیر میں خوش ہیں نہ کعبے میں خدا راضی — بتا اب لے دلِ مضطر تجھے جاؤں کہاں لے کر

یہ مانا اپنے بیمارِ وفا کو مار ڈالو گے — ملے گا کیا کسی بے کس کی جانِ ناتواں لے کر

وہاں دیکھا تو اک ہنگامۂ محشر کی صورت تھی — گئے تھے ہم بھی اپنے دردِ دل کی داستاں لے کر

سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ ایذا ہے کہ راحت ہے — وہ دل کو گدگداتے ہیں جگر میں چٹکیاں لے کر

کہاں تک برق سے سہموں ڈروں صیاد سے کب تک — ملے موقع تو اڑ جاؤں چمن سے آشیاں لے کر

تمھاری یاد کے قربان مشکل ہو گئی آساں — مریضِ ہجر ٹھنڈا ہو گیا دو ہچکیاں لے کر

نصیر آئے ہیں ہم تو نقشِ خاکِ پا پہ مٹنے کو
رہے رہنا ہو جس کو ان کے کوچے میں مکاں لے کر

آرام بھی ہے ایک مصیبت ترے بغیر — زنداں بنا ہے گوشۂ راحت ترے بغیر

جاتی رہی ہے صبر کی طاقت ترے بغیر — ناخوش گوار ہے مری حالت ترے بغیر

شاکی ہے میرا حقِ رفاقت ترے بغیر — ہے دعوئے وفا کو ندامت ترے بغیر

فرقت میں راس کب ہے ہوا سبزہ زار کی — مفقود ہے سکون کی صورت ترے بغیر

یہ جوئبار کی سحرِ تازہ روز رو نہ
لاتی ہی اک پیامِ مصیبت ترے بغیر

ہو ہاروَن کی جھیل کہ صحنِ نشاط باغ
لگتی نہیں کہیں بھی طبیعت ترے بغیر

بے کیف زندگی ہی جدائی کی زندگی
دل پر گزر رہی ہی قیامت ترے بغیر

جب تو نہیں تو سیرِ چمن کا مزا کہاں
دیتی ہی بوئے گل بھی اذیّت ترے بغیر

کشمیر کی بہار خوش آیند ہے مگر
دل کو سکوں نہ آنکھ کو فرحت ترے بغیر

ہی تیری یاد، تیرا تصوّر، ترا خیال
کس جوش پر ہی دردِ محبت ترے بغیر

بیزار ہی سکوں تو خوشی کو ہی ناخوشی
روٹھی ہوئی ہی مجھ سے مسرت ترے بغیر

عیش و نشاط و راحت و صبر و قرار نے
پھیری ہی مجھ سے چشمِ عنایت ترے بغیر

اے جانِ شوق و سروِ خرامانِ آرزو
جاتی رہی بہار کی لذّت ترے بغیر

بے تیرے سیرِ گل ہی محبت کو ناگوار
کرتی ہی آرزو بھی شکایت ترے بغیر

خاموشیوں کی راتیں ہیں خاموشیوں کے دن
ہوں ناشناسِ حرف و حکایت ترے بغیر

یہ صحنِ باغ و سبزہ و سرو و چنار و بید
دیتے نہیں ہیں قلب کو راحت ترے بغیر

یہ چشمۂ لدا کی روانی کا زور شور
کہتا ہی اک فسانۂ حسرت ترے بغیر

اے دوست جی تصدیر کا لگتا نہیں یہاں
کشمیر بھی ہے وادیِ غربت ترے بغیر

(س)

جو بوئے دلربا ہوتی ہے محسوس
حیاتِ جاں فزا ہوتی ہے محسوس

دوا اب کارگر ہوتی ہے مجھ پر
نہ تاثیرِ دعا ہوتی ہے محسوس

بکھرتی ہے تری کاکل جو رخ پر
تو کتنی خوش نما ہوتی ہے محسوس

کرم کا لطف آتا ہے ستم میں
کہیں تیری جفا ہوتی ہے محسوس

محبت میں مٹا جاتا ہوں جتنا
فنا مجھ کو بقا ہوتی ہے محسوس

گزر جاتے ہیں وہ جس راہ سے بھی
بہارِ دل کشا ہوتی ہے محسوس

قصور ان کا بھی ہوتا ہے نصیر اب
تو اپنی ہی خطا ہوتی ہے محسوس

(ق)

کیوں نہ غل برپا کرے زنجیرِ زندانِ فراق
شامِ غم آئی ہے یارب لے کے سامانِ فراق

یہ شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابِ بلا
اُف قیامت کا تلاطم، اُف یہ طوفانِ فراق

آ خدا کے واسطے آ چارہ فرمائی کو آ
اے مسیحائے مریضِ ہجر درمانِ فراق

دستِ وحشت ہم بھی قائل ہوں تری تاثیر کے
چاک ہو جائے اگر اک دن گریبانِ فراق

ان کی الفت میں ہے جینا موت سے بدتر نصیر
دل ہے بے تابِ جدائی جان حیرانِ فراق

(ل)

تیری وفا نگار دل۔ عشق ترا بہارِ دل
ہوش ربا تری ادا، صبر طلب تری وفا
اس کو مٹا نہ چارہ گر راحتِ روح و جان ہے
پھانس ہے ہر رگِ جنوں ایک نفس نہیں سکوں

ذکر ترا شعارِ دل۔ یاد تری قرارِ دل
ناز سکوں کا مدّعا۔ چشم امیدوارِ دل
سینے سے ہم لگائے ہیں داغ ہے یادگارِ دل
غم کی خلش کو کیا کہوں سینہ ہے خارزارِ دل

آیا جو تیر یار کا اُٹھ کے نصیرؔ نے کہا
پہلو سے لگ کے بیٹھ جا اے مرے غمگسارِ دل

دل نہیں کیا ہو پاسداریٔ دل
آپ لے جایئے مگر یہ غلط
کون اپنا سا دل سمجھتا ہے
گھٹتی جاتی ہے رات وعدے کی
چاہتا ہے رہوں نہ سینے میں
دے مجھے ضبطِ عشق رخصت بھی
بن گیا جوشِ اضطراب سکوں

بے دلی اب ہے یادگاریٔ دل
آپ اور پھر نگاہداریٔ دل
کون کرتا ہے غمگساریٔ دل
بڑھتی جاتی ہے بے قراریٔ دل
آہ اب ہے یہ ناگواریٔ دل
کیا کروں ذکرِ آہ و زاریٔ دل
اللہ اللہ پردہ داریٔ دل

مفت بھی پوچھتا نہیں کوئی
عشق میں ہے نصیرؔ خواریٔ دل

(م)

نظر میں، جسم میں، جاں میں، خودی میں، بے خودی میں تم
تمھارا ہی تصور ہے، الم میں تم خوشی میں تم

نمک پاشِ جراحت ان کا خندہ ہے - لہو کیسا
تعجب ہے کہ رو دیتے ہو اے زخمو ہنسی میں تم

اگر بدنام ہیں، تنہا نہیں، بدنام ہیں دونوں
کسی کی دشمنی میں ہم، کسی کی دوستی میں تم

کروگے جشنِ وصلِ غیر پر میں یہ نہ سمجھا تھا
مجھے یہ داغ دوگے میرے مرنے کی خوشی میں تم

مجھے جذبِ محبت میں نہیں ہے اعتبار اپنا
کہیں ایسا نہ ہو آجاؤ میری بے خودی میں تم

نصیرؔ آباد تم کو رہتی دنیا تک خدا رکھے
کہ درماندوں کے کام آتے ہو اکثر بے کسی میں تم

مست ہم، ہشیار ہم، فرزانہ ہم، دیوانہ ہم
لاکے رکھ دیتے ہیں جب پیشِ رخِ جانانہ ہم
ہے ہماری عاشقی سے کفر و ایماں کو فروغ
کرتے ہیں روشن چراغِ کعبہ و بت خانہ ہم

اک تمھارے ہو کے ہیں عنوانِ صد افسانہ ہم
دیکھتے ہیں شمع میں کیفیتِ پروانہ ہم

دیکھئے ساقی ہو اب بھی منھ لگاتا یا نہیں
مر کے اپنی خاک سے بنتے تو ہیں پیمانہ ہم

یاد کیجے حضرت زاہد شبِ فردا کی بات
آپ کو آئے تھے لینے تا درِ میخانہ ہم

آشیاں کے چار تنکوں کو تمنا ہی رہی
کیا کہیں گے اے نگاہِ برق صد کاشانہ ہم

لوٹتے پھرتے ہیں ہر محفل میں جلووں کی بہار
لے کے آئے ہیں ازل سے قسمتِ پروانہ ہم

پنبہ در گوش ست مینا، ساقیِ رعنا بخواب
اب کہیں کس سے حدیثِ ساغر و پیمانہ ہم

کل یگانوں میں تھے شامل آج ہے یہ انقلاب
دور ہیں محفل میں اُن سے صورتِ بیگانہ ہم

غیر کو کہنا تھا جو کچھ کہہ چکا تم سن چکے
حکم ہو تو اب کہیں اپنا بھی کچھ افسانہ ہم

جو ہوا کچھ بھی نہ ہوتا گر نہ ہوتے بے نقاب
ملزمِ تشہیر تم یا مجرمِ افسانہ ہم

اس کے پروانے ہیں شاہد شمعِ خلوت ہی گواہ
یعنی تم سوتے رہے کہتے رہے افسانہ ہم

لطفِ ساقی جوش پر ہے چاہتا ہے دل نصیرؔ
اب پیے جائیں یوں ہی پیمانے پر پیمانہ ہم

شکوہ کریں گے بخت سے یا آسماں سے ہم
ان کے خلاف کچھ نہ کہیں گے زباں سے ہم

پوچھو نہ کس کی زلفِ رسا کے اسیر ہیں
آزاد ہو گئے ہیں غمِ دو جہاں سے ہم

ہاں اے نگاہِ ناز ذرا روح پھونک دے
کچھ ہو گئے ہیں ہجر میں اب نیم جاں سے ہم

اللہ رے ذوق و شوق کہ سیری نہیں ہوئی
ملتے ہیں آنکھ کب سے ترے آستاں سے ہم

ہم بھی تو خاکِ روبِ مزارِ سلیمؒ ہیں
کیوں اے نصیرؔ دب کے رہیں آسماں سے ہم

(ن)

محفل میں نگاہوں سے غضب ڈھا گئیں آنکھیں
ایک ایک کو ایک ایک سے لڑوا گئیں آنکھیں

پتھر پڑے اے بت تری اس سنگ دلی پر
آیا ہی کیا تو مری پتھرا گئیں آنکھیں

اللہ رے ترے شعلۂ رخسار کی گرمی
دیکھا جو نظر بھر کے تجھے آ گئیں آنکھیں

کیا دیکھے اٹھتی نہیں آئینے کے آگے
نامحرمیِ عکس سے شرما گئیں آنکھیں

وہ لے گئے تشریف نہیں دل کو قلق اب
کچھ اٹھ کے اشارے ہی میں سمجھا گئیں آنکھیں

اپنی ہی شرارت سے یہ بیمار ہوئی ہیں
ناکردہ گنہ کب ہیں سزا پا گئیں آنکھیں

دنیا سے نصیرِ جگر افگار کو کھو کر
جز حسرتِ دیدار کے کیا پا گئیں آنکھیں

ساز خموش ہو گئے محفلِ کائنات میں
پھونک دے روح تازہ پھر آ گئی نئی حیات میں

میری خودی و بے خودی دونوں ہیں تیرے واسطے
مرگ کا ذائقہ بھی ہے چاشنیِ حیات میں

عفو خطا ہو ساقیا ہم نے بھی جام بھر لیا
دیکھے جو خم کے خم بھرے میکدۂ نجات میں

واہ رے غمزۂ حیا آنے کا عذر کیا کیا
ایسا نہ ہو کہ دیکھ لے صبح چھپی ہو رات میں

ہم کو رہِ مجاز میں تیری حقیقتیں کھلیں
گم جو ہوئے صفات میں مل گئے تیری ذات میں

نبھ چکی مجھ سے دوستی ہو چکی میری زندگی
ہے یہی روٹھنا اگر آپ کا بات بات میں

رشک یہ ہے کہ غیر سے خواب میں پوچھتا ہوں میں
ان کے ستم نہیں وہ کیا تھے جو مری حیات میں

اس نے غلط نگاہ بھی ہائے غضب نہ کی
عمر تمام ہو گئی حسرتِ التفات میں

پست عقیدتیں نہیں کوئی خموش ہے تو کیا
جوش ہے آج تک وہی حوصلۂ نجات میں

کل تھا چراغ غمکدہ تارے تھے جھلملا رہے
صرف ترا خیال تھا ہجر کی پچھلی رات میں

سمجھے نصیر آپ کچھ گریۂ طفل کا سبب
دیکھ لیا اجل کا منھ آئینۂ حیات میں

عذر کی گنجائش اب اے ناوکِ قاتل نہیں
آج ظالم تو نہیں یا میں نہیں یا دل نہیں

دشت گردِ عشق ہوں مجھ کو سکوں حاصل نہیں
کوئی میرے اضطرابِ شوق کی منزل نہیں

قتل ہو کر بھی سبکدوشی ہمیں حاصل نہیں
کیا ہمارا سر رہینِ منتِ قاتل نہیں

کیوں ہوا جاتا ہوں میں حسنِ خرد سے بے نیاز
حشر کچھ ان کے حریمِ ناز کی محفل نہیں

نزع کا عالم ہے مشکل مرنے والے کے لیے
آ کے تم آسان کر دو گر تو کچھ مشکل نہیں

آہ گورستاں کا عالم شمع تک خاموش ہے
ہم سخن کوئی کسی سے ہو یہ وہ محفل نہیں

چھپ کے شاید آنے والا ہے تصور میں کوئی
کیا سبب ہے آج روشن شمعِ داغِ دل نہیں

آپ کا ملنا ہے حسنِ اتفاقِ وقت سے
ہم کو حسنِ اتفاقِ وقت بھی حاصل نہیں

آہ لے ڈوبا فریبِ آشنا مجھ کو نصیر
کیوں نہ میں سمجھا یہ موجِ بحر ہے ساحل نہیں

جبینِ عشق جو سجدے سے سرفراز نہیں
قبول بارگہِ حسنِ بے نیاز نہیں

میں دیکھتا ہوں انھیں یا وہ دیکھتے ہیں مجھے
و فورِ شوق بہم ہے یہ امتیاز نہیں

اُٹھے نہ ان کی طرف کیوں نگاہِ حسن طلب
وہ بے نیاز سہی ہم تو بے نیاز نہیں

مرا سکوت جو کہنا تھا کہہ چکا تجھ سے
مری زباں تری چشم سخن طراز نہیں

دلِ خدنگ طلب ہے کیوں گلا کہ ابھی
ادا شناس محبت نگاہ ناز نہیں

خروش وہ کہ فضا گونج اُٹھی تھی نغموں سے
سکوت یہ کہ صدائے شکست ساز نہیں

جھکائے کون سرِ حسن پائے الفت پر
جہاں میں لاکھ ہیں محمود اک ایاز نہیں

دلِ حزیں غم و حرماں سے ناامید نہ ہو
خدا کریم نہیں ہے کہ کارساز نہیں

نگاہِ غور سے دیکھا تو بت کدے میں نصیر
سوائے بنت عنب کوئی پاکباز نہیں

باغ جہاں میں تو اگر گل نہ بنا تو خار بن
اپنی بہار کے لیے اپنی ہی یادگار بن

وجہ سکوں نہ بن سکا موجبِ اضطرار بن
کچھ تو خدا کے واسطے اے دلِ بیقرار بن

جب کہ ترے نصیب میں سوز و گداز عشق ہے
گر نہیں شمع انجمن، شمع سرِ مزار بن

اے مرے داغ آرزو کچھ تو تری نمود ہو
نقشِ وفا نہ بن سکا لالۂ داغدار بن

فصلِ بہار آنے دے مرغ چمن یہ بحث کیا
تیرے لیے ہزار گل میرے لیے ہزار بن

اے گلِ باغ عاشقی تیری بہار ہے یہی
میرے جگر کا داغ بن ان کے گلے کا ہار بن

آئیں نہ آئیں خیر سے اس کا گلا نہیں مگر
جائے کسی کی جان پر کیوں شب انتظار بن

اے دلِ بےقرار بن میرے جگر کا آبلہ
پھوٹ کے رو فراق میں دیدۂ اشکبار بن

چاہیے جو اپنی عافیت سن لے نصیر کا پیام
کر نہ کسی سے دشمنی اور نہ کسی کا یار بن

اپنی صورت دیکھ کر آئینۂ شمشیر میں ۔۔۔ میں یہ سمجھا موت لکھی ہے مری تقدیر میں

کہہ رہا تھا نزع میں عاشق بڑی حسرت کے ساتھ ۔۔۔ آہ ظالم تو نے لکھا تھا مری تقدیر میں

میں جہاں جاؤں جہاں بیٹھوں رہے یہ ساتھ ساتھ ۔۔۔ باندھ دو وحشت کو میری پاؤں کی زنجیر میں

تشنۂ شوقِ شہادت ہوں بجھاوے میری پیاس ۔۔۔ کیا مری تقدیر کا پانی نہیں شمشیر میں

وہ نہ خود آئیں نہ خط بھیجیں نہ آئے کچھ پیام ۔۔۔ کیا یہی تحریر ہے میرے خطِ تقدیر میں

(ناکمل)

درد بھی مگر ہو دل درد سے بے قرار کیوں ۔۔۔ گر نہیں تابِ ضبطِ غم کوئی بنائے یار کیوں

آپ نے چٹ مٹا دیا نقشِ وجود ہی مرا ۔۔۔ تھوڑے دنوں کے واسطے لوحِ سرِ مزار کیوں

دیکھے گا کون رنگِ گل پھانسے گا کس کو باغباں ۔۔۔ مرغِ چمن قفس میں ہے آئی ہے پھر بہار کیوں

کہہ دو خموش ہی رہے بحثِ فغاں سے فائدہ ۔۔۔ بلبلِ باغ کہہ کے ایک مجھ سے سُنے ہزار کیوں

پیرِ مغاں نے دین و دل لے کے نصیرؔ سے کہا ۔۔۔ نقد کی نقد خوب ہے آپ پئیں اُدھار کیوں

خاکِ جنوں ہے گردِ رہِ کارواں نہیں ۔۔۔ آواز دردِ دل ہے جرس کی فغاں نہیں

تم نے تو مجھ کو درد مجسّم بنا دیا ۔۔۔ کیا پوچھتے ہو درد کہاں ہے کہاں نہیں

اے گردشِ زمانہ کہاں جا کے میں رہوں ۔۔۔ ایسی زمیں نہیں کہ جہاں آسماں نہیں

بدلا جو تو سب کی نگاہیں بدل گئیں ۔۔۔ اب کون مہرباں ہو جو تو مہرباں نہیں

تیری موافقت پہ کروں اعتبار کیا ۔۔۔ جو آج مہرباں ہے وہ کل مہرباں نہیں

منزل پہ بادِ شوق اڑا لے گئی مجھے
ہیں صورتِ غبارِ پسِ کارواں نہیں

تو میرا یار ہے تو زمانہ ہے میرا یار
تو مہرباں نہیں تو کوئی مہرباں نہیں

ہاں جوششِ انتقام کی بس دیر ہے نصیرؔ
ہیں ہوں اگر زمیں پہ تو پھر آسماں نہیں

آتی ہے قلقلِ مینا کی صدا کانوں میں
شور ہے بادۂ پر جوش کا مہمانوں میں

کیسی پر لطف ہوا چلتی ہے میخانوں میں
خوف ہے مجھ کو خلل آئے نہ ایمانوں میں

بڑھ گیا جوششِ جنوں اس قدر آتے ہی بہار
اڑتے پھرتے ہیں گریبان بیابانوں میں

آمدِ موسمِ گل میں یہ ستم ہے ساقی
پھول آئے نہ مرے واسطے پیمانوں میں

کوئی تدبیر نکلنے کی نظر کیا آتی
ابر نے گھیر لیا تھا مجھے میخانوں میں

جب سے گلشن میں ہوئی فصلِ خزاں کی آمد
بوئے گل پھرتی ہے برباد بیابانوں میں

بخیہ پر بخیہ، رفو پر ہے رفو ہر جانب
کثرتِ چاک ہے اس درجہ گریبانوں میں

آج میخانہ میں ہوتا ہے طلوعِ خورشید
نور ہی نور نظر آتا ہے پیمانوں میں

کیوں نہ سمجھیں اسے کوتاہیِ دستِ وحشت
چاک کے پاؤں جو پھیلیں نہ گریبانوں میں

اپنا ایمان بچائے بتِ کافر سے نصیرؔ
آہ اتنا بھی نہیں کوئی مسلمانوں میں

جفا کاریاں ہیں ستم گاریاں ہیں
محبت میں ہر لحظہ دشواریاں ہیں

نہ شکوہ فلک کا، نہ تم سے شکایت
مقدر کی ساری خطا کاریاں ہیں

مری آہ نے خود مجھے پھونک ڈالا
یہ کیسی محبت کی چنگاریاں ہیں

مجھی کو اجازت وہ آنے کی دے دیں
اگر ان کو آنے میں دشواریاں ہیں

محبت کا جوہر ہی وارفتگی ہے
کہ بے ہوشیاں اس میں ہشیاریاں ہیں

پی ان کی جھوٹی تو پی لی خوشی سے
نصیر اب یہی اپنی میخواریاں ہیں

باغِ عالم میں کیا بہار نہیں
دامنِ گل بھی تار تار نہیں

زندگی کا اگر اعتبار نہیں
موت پر بھی تو اختیار نہیں

دل کو بہلا رہا ہوں فرقت میں
ان کے آنے کا انتظار نہیں

کاش منہ سے کبھی تو "ہاں" نکلے
کہتے جاتے ہو بار بار "نہیں"

عشق تعلیم ضبط دیتا ہے
دلِ بے تاب کو قرار نہیں

بوالہوس رازِ عشق کیا جانے
اس کا عشاق میں شمار نہیں

یاس و امید کا تصادم کیا
دل ہے میدانِ کارزار نہیں

ہاتھ کیوں رک گیا مرے قاتل
کیا یہ شمشیر آب دار نہیں

مر کے سو بار جیتے ہیں عشاق
زندگی ان کی مستعار نہیں

میرے عصیاں اگر نہیں محدود
تیری بخشش کا بھی شمار نہیں

آشیانے کی فکر کیا ہو نصیر
اب گلستاں میں وہ بہار نہیں

کوچۂ قاتل ہیں آنکھوں کا شکار آنکھیں ہوئیں
جب چلا تیرِ نظر پہلے فگار آنکھیں ہوئیں

وہ ہوئے برہم ندامت سے جھکی میری نظر
اُن کی تھی تقصیر لیکن شرمسار آنکھیں ہوئیں

اب کہاں یاروں میں وہ یاری غنیمت یہ بھی ہے
کچھ مروت آگئی جب وقت چار آنکھیں ہوئیں

(نامکمل)

چھوڑا نہ کوئی قطرۂ خوں میرے جگر میں
اللہ کرے آگ لگے دیدۂ تر میں

کیا تنگ کیا ہے غمِ فرقت نے الٰہی
اک ٹیس مرے دل میں ہے اک درد جگر میں

دیوانہ کسے کہتے ہیں بے ہوش کی ناصح
وحشت ہے نہ سودا، نہ جنوں ہے مرے سر میں

سینے پہ ترا دستِ تسلّی تو رہے گا
اللہ کرے درد ٹھہر جائے جگر میں

کیا قہر ہے بچ بچ کے نکلتی ہے قیامت
کچھ فتنے سے فتنے ہیں تری راہ گزر میں

اک تیرِ نظر ہے کہ خلش ہوتی ہے جس سے
اک خارِ الم ہے جو کھٹکتا ہے جگر میں

وعدہ جو کیا ہے تو وہ ایفا بھی کریں گے
کب آئیں گے جب ہوگی قیامت مرے گھر میں

الفت میں نصیر اب نظر آتا نہیں کچھ بھی
پھرتی ہے وہی چاند سی تصویر نظر میں

وہ سنتے بھی نہیں اور اُن سے کہہ رہا ہوں میں
کہ اک نگاہ پہ دل اپنا بیچتا ہوں میں

جو اُٹھ گیا تو سمجھنا کہ اُٹھ گیا پردہ
یہی بہت ہے کہ در پر ترے پڑا ہوں میں

فنا ہوں ذات میں تیری مگر نہ اتنا بھی
خودی کو بھول کے کہنے لگوں خدا ہوں میں

دعا کو طول دیا پچھلی رات جب میں نے
ندا یہ آئی کہے جا کہ سن رہا ہوں میں

بنی گناہ مرے حق میں بے گناہی بھی
نگاہِ عفو میں مستوجبِ سزا ہوں میں

مجھے تو اپنی حقیقت کا انکشاف نہیں
بتا دے جاننے والے تو ہی کہ کیا ہوں میں

طلسمِ ہستیِ باطل نہ مجھ کو دھوکا دے
کہ رازِ ہستیِ موہوم جانتا ہوں میں

نصیر بے خودیِ عشق میں خبر بھی ہے
کہ اپنے سیل میں خود آپ بہہ رہا ہوں میں

کیوں مجھے دم بھر سکوں ہے یادِ جانانہ نہیں
کیا دلِ ناآشنا اب مجھ سے بیگانہ نہیں

مر چکے دل سوز سب دادِ تجلّی کون دے
شمع تنہا جل رہی ہے کوئی پروانہ نہیں

جانتا ہوں راز میں تیرے حریمِ ناز کا
مجھ سے تو بیگانہ ہے میں تجھ سے بیگانہ نہیں

حالِ دردِ دل جو سنتے ہو تو کہتا ہوں مگر
جس کو سن کر نیند آئے یہ وہ افسانہ نہیں

اس تقاضے پر کہ مجھ کو دے زیادہ ظرف سے
ہنس کے ساقی نے کہا یہ حرم میخانہ نہیں

توڑ دینا عہد کا کیا سہل سمجھے ہو نصیر
اے معاذ اللہ یہ پیماں ہے پیمانہ نہیں

دل میرا وہ مٹھی میں لیے آئے ہوئے ہیں
دینا بھی نہیں چاہتے شرمائے ہوئے ہیں

تلوار کے پانی سے جو نہلائے ہوئے ہیں
وہ تیغ کے دامن کا کفن پائے ہوئے ہیں

کب خضر سراغِ رہِ غم پائے ہوئے ہیں
خود بھٹکے ہوئے ہیں مجھے بھٹکائے ہوئے ہیں

اب تک نظر آئی کوئی صورت نہ اثر کی
ہم دستِ دعا دیر سے پھیلائے ہوئے ہیں

ہے نامہ منظوم ترے ہاتھ کا لکھا
اشعار مگر غیر کے لکھوائے ہوئے ہیں

بچپن کی محبت کا جوانی میں عوض کیا
مجھ کو نہ سکھائیں مرے سکھلائے ہوئے ہیں

کیا سوزِ دروں کو جگر و دل سے تعلق
اے عشق یہ شعلے ترے بھڑکائے ہوئے ہیں

سچ ہے کہ بری چیز ہے احساسِ ستم بھی
مقتل سے جو پلٹے ہیں تو گھبرائے ہوئے ہیں

پیشِ رخِ پُر نور جو آئینہ ہے رکھا
نامحرمیِ عکس سے شرمائے ہوئے ہیں

میخانے کو جانے کا ارادہ ہے نصیر آج
یہ حضرتِ واعظ مجھے بہکائے ہوئے ہیں

کعبہ میں وادیِ ایمن میں صنم خانوں میں
ہر جگہ ہے وہی لیکن ہے نئی شانوں میں

بحر میں کوہ میں گلشن میں بیابانوں میں
ہر جگہ ہے وہی لیکن ہے نئی شانوں میں

بزم میں رزم میں، دریاؤں میں ویرانوں میں
ہر جگہ ہے وہی لیکن ہے نئی شانوں میں

رازِ دل میں لبِ خاموش میں افسانوں میں
ہر جگہ ہے وہی لیکن ہے نئی شانوں میں

حسن اور عشق پہ جلوہ نہیں اس کا موقوف
ہر جگہ ہے وہی لیکن ہے نئی شانوں میں

بانگِ ناقوس کہیں ہے کہیں آوازِ اذاں
ہر جگہ ہے وہی لیکن ہے نئی شانوں میں

ہے اسی جلوۂ صد رنگ سے معمور جہاں
ہر جگہ ہے وہی لیکن ہے نئی شانوں میں

ذرہ ذرہ نہ ہو کیوں کون و مکاں کا مسجود
ہر جگہ ہے وہی لیکن ہے نئی شانوں میں

دل میں ہے روح تو آنکھوں میں ہے نور الانوار
ہر جگہ ہے وہی لیکن ہے نئی شانوں میں

دور بھی ہے رگِ گردن سے بھی نزدیک ہے وہ
ہر جگہ ہے وہی لیکن ہے نئی شانوں میں

معرفت دیدۂ ظاہر کو ہے اس کی دشوار
ہر جگہ ہے وہی لیکن ہے نئی شانوں میں

کہیں خالق کہیں مخلوق میں ہے جلوہ نما
ہر جگہ ہے وہی لیکن ہے نئی شانوں میں

اے نصیر اس کے مظاہر کی حقیقت کو نہ پوچھ
ہر جگہ ہے وہی لیکن ہے نئی شانوں میں

جستجو میں تری کھو جاؤں میں
پھر تو کچھ اور ہی ہو جاؤں میں

اے اجل رات کو جاگا ہوں بہت
چین لینے دے کہ سو جاؤں میں

نیند وہ ہے کہ تصوّر میں ترے
جاگتے جاگتے سو جاؤں میں

ڈوبتا بحرِ محبّت میں تو ہوں
نام ان کا نہ ڈبو جاؤں میں

جب بہے اشکِ ندامت جاری
معصیت بولی کہ دھو جاؤں میں

ہے خودی راہِ طلب کی حد تک
تم جو مل جاؤ تو کھو جاؤں میں

اے وفا مرتا ہوں جاتے جاتے
تیری قسمت کو بھی رو جاؤں میں

رو مجھے دامنِ قاتل دمِ مرگ
خون کے داغ تو دھو جاؤں میں

ان کو پانا تو ہے آسان نصیر
کہیں ایسا نہ ہو کھو جاؤں میں

شرم آتی ہے ان کو آنے میں
محو ہوں دردِ دل چھپانے میں

جان رُکتی نہیں ہے جانے میں
دل نہیں مانتا ہے آنے میں

تم کو دیکھا نظر نہ آنے میں
تم کو پایا خودی کے جانے میں

جوشِ گل کی دعا ہی کیوں مانگی
جب نہ رہنا تھا آشیانے میں

ڈھونڈھ لو میری مرگ کا حیلہ — تم تو مشتاق ہو بہانے میں
ترک ناحق ثوابِ صوم ہو کیوں — روزہ کھولوں شراب خانے میں
یاد سے ان کی دل کروں روشن — شمع رکھ دوں سیاہ خانے میں
معرفت والے مسجدوں میں کہاں — ان کو ڈھونڈھو شراب خانے میں
لے جو دیوانہ نام آزادی — بھیج دو اس کو قید خانے میں
رات کو آپ خواب میں آئے — یہ بھی آنا ہے کوئی آنے میں

جس کے در کے گدا ہیں شاہ نصیر
ہوئے پیدا ہم اُس گھرانے میں

عجب حسن عمل سے خوبان ایجاد کرتے ہیں — کہ عاجز قدسیوں کو بھی یہ آدم زاد کرتے ہیں
طلوعِ صبح گلشن ہے خدا کو یاد کرتے ہیں — اُٹھ اے صیاد مرغانِ قفس فریاد کرتے ہیں
کھلا یہ راز ہم پر درس گاہِ عشق میں آ کر — وہ خود کو بھول جاتے ہیں جو ان کو یاد کرتے ہیں
اثر سے میرے نالوں کے ابھی واقف نہیں گردوں — کہ یہ برباد کرنے والوں کو برباد کرتے ہیں

نصیر اب تو خدا سے ہر گھڑی اپنی دعا یہ ہے
ہم اس کو بھول جائیں کاش جس کو یاد کرتے ہیں

ایسا جلا ہوا ہوں غمِ ہجرِ یار میں — جی چاہتا ہے آگ لگا دوں بہار میں
رکھا ہی کیا ہے زندگیِ مستعار میں — ہم جی رہے ہیں صرف ترے انتظار میں
کیا خاک جی لگے چمنِ روزگار میں — اُن کے بغیر لطف کہاں ہے بہار میں

مرنے کے بعد بھی نہ گیا جوشِ عشق کا — میں ہوں مزار میں مرا دل کوئے یار میں

ہونا جو ہوگا، ہوگا، جو ہونا تھا وہ ہوا — کیا دخل ہے مشیتِ پروردگار میں

ہو جائے تیرے فیض کی مستوں میں دھوم آج — ساقی بہا دے پھول کے دریا بہار میں

اُمید ہے کہ عشق کرے سرخ رو مجھے — آنے لگا ہے دل کا لہو چشمِ زار میں

سچ تو یہ ہے کہ فرقتِ ساقی میں اے نصیر
حاصل نہیں ہے کیف مئے خوش گوار میں

پھونکوں نہ دل کو میں نہ جلاؤں جگر کو میں — بہتر ہے سونپ دوں تری برقِ نظر کو میں

ہونا نہیں قفس سے اب آزاد جیتے جی — کیوں قطع کر کے پھینک دوں بال و پر کو میں

کھنچ جائے وصل میں ابھی نقشہ فراق کا — منہ پھیر لیجے آپ ادھر کو ادھر کو میں

کعبے سے بتکدے سے کلیسا سے طور سے — تشبیہ کس مکان سے دوں تیرے گھر کو میں

اللہ رے اشتیاقِ جوابِ خطِ نیاز — جاتا ہوں خود ہی رہبرِ نامہ بر کو میں

تم اور میرے گھر میں یہ نکلا کدھر کو چاند — دیکھوں تمھیں کہ چرخ کو یا اپنے گھر کو میں

نیچی نگاہ شانِ ادب ہے حضورِ دوست — گر جاؤں آنکھ سے جو اٹھاؤں نظر کو میں

شرمِ گناہ اتنا رلائے کہ حشر میں — پہنچوں نچوڑتا ہوا دامانِ تر کو میں

اللہ یہ نصیب کہ وہ آئیں میرے گھر — ان کو دعائیں دوں کہ دعا کے اثر کو میں

ویراں کچھ اس طرح یہ ہوا ہے کہ اے جنوں — تیرے کرم سے دشت سمجھتا ہوں گھر کو میں

جو بے غرض خلوص سے پیش آئے اے نصیر — حسرت رہی کہ دیکھتا ایسے بشر کو میں

اُن سے ملنے کا مآل اچھا نہیں ہجر اچھا ہے وصال اچھا نہیں

دیکھ آ جا کر کہ اے رشکِ مسیح تیرے بیماروں کا حال اچھا نہیں

اہلِ غیرت کے لیے ہر حال میں موت اچھی ہے سوال اچھا نہیں

دیکھ ساقی ساغرِ جمشید سے کیا ہوا جامِ سفال اچھا نہیں

ساتھ سایہ چھوڑ دیتا ہے نصیر
مہرباں وقتِ زوال اچھا نہیں

رازِ الفت ہے یہی کیا کہ چھپا بھی نہ سکوں پوچھنا چاہے جو کوئی تو بتا بھی نہ سکوں

رعب سے پاؤں پہ سر ان کے جھکا بھی نہ سکوں اور جھک جائے اگر خود تو اٹھا بھی نہ سکوں

ایسی کیا بے خودیِ غم کہ اگر وہ آئیں دل دکھا بھی نہ سکوں رو بتا بھی نہ سکوں

ناتوانی مجھے منظور نہ اتنی لیکن کہ ترا ناز اٹھاؤں تو اٹھا بھی نہ سکوں

مضطرب شوق میں اتنا بھی نہ ہو جاؤں میں کہ وہ تقدیر سے آئیں تو بٹھا بھی نہ سکوں

ایسی تقدیر بھی تقدیر ہے کوئی یا رب! کہ بگڑ جائے تو خود اس کو بنا بھی نہ سکوں

روٹھتا کون نہیں آپ بھی روٹھیں مجھ سے مگر اس طرح نہ روٹھیں کہ منا بھی نہ سکوں

کوچۂ یار کی ہے راہ کچھ ایسی دشوار جاؤں بے ہمرہیِ عشق تو جا بھی نہ سکوں

یہ بھی ہے جبر کہ مختار نہیں میں اپنا چاہوں ہستی کو مٹانا تو مٹا بھی نہ سکوں

میری قسمت کہ تجھے شوق نہ ہو زینت کا بن کے سرمہ تری آنکھوں میں سما بھی نہ سکوں

اثرِ بے خودیِ عشق سے ایسا ہو نصیر آپ سے گزروں تو پھر آپ میں آ بھی نہ سکوں

تمھیں ہم جب سے اپنے عشق کے قابل سمجھتے ہیں
نہ سر کو سر سمجھتے ہیں نہ دل کو دل سمجھتے ہیں

لگائیں کیوں نہ سینے سے تسلّی کے لیے تجھ کو
تجھے اے داغ ہم تو یادگارِ دل سمجھتے ہیں

کچھ ایسا دیکھ کر آئے ہیں عالم کوئے قاتل کا
کہ ہم محشر کو اک اجڑی ہوئی منزل سمجھتے ہیں

خوشی سے خوش نہ غم سے خوش ان سے خوش نہ ہم خوش
خدا جانے یہ کیا شے ہے جسے ہم دل سمجھتے ہیں

نصیرؔ آسان ہے ہر کام ہمت کی ضرورت ہے
کسی مشکل کو ہم دنیا میں کب مشکل سمجھتے ہیں

دردِ فرقت کا علاج آپ کے امکاں میں نہیں
ضبط کی تاب مریضِ غمِ ہجراں میں نہیں

یہ اداسی کسی سنسان بیاباں میں نہیں
بیکسی کا بھی گزر خانۂ ویراں میں نہیں

رنگ تیرے گلِ عارض کا گلستاں میں نہیں
یہ تو وہ پھول ہے جو روضۂ رضواں میں نہیں

مل گیا کون سا عالم ترے دیوانے کو
کوہ و صحرا میں نہیں خانۂ زنداں میں نہیں

کیا ہوئی لالہ و گل کی وہ فضا میرے بعد
لوگ کہتے ہیں وہ رونق چمنستاں میں نہیں

ایک اک حلقۂ زنجیر میں اک عالم ہے
اب تو زنداں میں جو وسعت ہے بیاباں میں نہیں

وہ اگر مجھ سے تغافل سے ہیں مجبور تو ہوں
عمر بھر ان کا بھلانا مرے امکاں میں نہیں

مر گیا ہو نہ کہیں آپ کا دیوانۂ عشق
شورِ زنجیر کئی روز سے زنداں میں نہیں

مذہبِ عشق میں جائز نہیں تبدیلِ مقام
قیس کہسار میں فرہاد بیاباں میں نہیں

کس لیے فکرِ علاجِ دلِ بیمار کروں
اب تو جو درد میں لذت ہے وہ درماں میں نہیں

بھول بیٹھا ہے بشر اپنی حقیقت کو نصیرؔ
ورنہ وہ کون سی طاقت ہے جو انساں میں نہیں

نالہ وگریہ وشیون مجھے منظور نہیں
وہ سمجھتے ہیں کہ مجبور ہوں مجبور نہیں

کون سا گھر ہی جو اُن جلووں سے پرنور نہیں
اک مری یاس کی دنیا ہی کہ معمور نہیں

کس کے پردے میں تجلّی تری مستور نہیں
گل نہیں شمع نہیں نار نہیں نور نہیں

کون ہی جس سے ملے بیخودیِ عشق کی داد
کوئی شبلؔ نہیں سرمدؔ نہیں منصورؔ نہیں

دل کو سمجھاتا ہوں یہ کہہ کے رہِ غربت میں
لے قریب آگئے اب ہم سے وطن دور نہیں

مل گئے وہ تو مسخر ہوئی ساری دنیا
اب زمیں سخت نہیں اور فلک دور نہیں

لے کے پہنچا ہی کہاں ذوقِ نظارہ مجھ کو
کہ جہاں تفرقۂ ناظر و منظور نہیں

خونِ ناحق ہی یہ سر چڑھ کے رہے گا اک دن
تیرے عاشق کا گلا گردنِ منصورؔ نہیں

ہم نہ چھوڑیں گے کبھی تجھ سے نیازِ الفت
حسن مغرور سہی عشق تو مغرور نہیں

یاس کہتی ہی کہ اب طاقتِ رفتار کہاں
شوق کہتا ہی کہ اب ان کی گلی دور نہیں

ہی تری نرگسِ مستانہ متاعِ مے نوش
مے نہیں جام نہیں خلد نہیں حور نہیں

نامہ بر وصل کا پیغام تو لے جاتا ہی
اور اگر وہ کہیں کہہ دیں مجھے منظور نہیں

سیکڑوں پردے سہی لاکھ حجابات سہی
دیکھنے والی نگاہوں سے وہ مستور نہیں

اور کس بات پہ دعوا ہی مسیحائی کا
جب ترے پاس دوائے دلِ رنجور نہیں

ہوں تو میں لائقِ تعزیر مگر عفوِ خطا
تیرے الطاف و عنایات سے کچھ دور نہیں

ہر مکاں کعبہ ہی ہر دشت ہی دشتِ ایمن
چشمِ بینا ہو تو قیدِ حرم و طور نہیں

ہاے وہ اور ملاقات میں سو طرح کا عذر
جو بہر حال کسی بات میں مجبور نہیں

مہرباں میری طبیعت کا تو یہ عالم ہی
غیر کی دل شکنی بھی مجھے منظور نہیں

جانِ مستی ہی ترا دیدۂ مے گوں ساقی
کون سا دیکھنے والا ہی جو مخمور نہیں

دیکھ لیتا ہی تصور میں انھیں دیوانہ
وہ اسے دور سمجھتے ہیں مگر دور نہیں

حور و غلماں نہ سہی۔ روضۂ رضواں نہ سہی
آپ مل جائیں تو پھر کچھ ہمیں منظور نہیں

آگیا تھا کسی دن ترکِ محبت کا خیال
ترا دیوانہ اسی روز سے مسرور نہیں

نظر آتا ہے زمانہ مجھے تاریک نصیر
سامنے جب سے کسی کا رخِ پرنور نہیں

دل پھنک رہا ہی جان پڑی ہی عذاب میں
ڈالا ہی سوزِ غم نے عجب اضطراب میں

خط پا کے کچھ کمی نہ ہوئی اضطراب میں
قسمت کا جو لکھا تھا وہ آیا جواب میں

کھولا جو ہم نے شکووں کا دفتر شبِ وصال
گزری تمام رات سوال و جواب میں

ناکامیوں نے ساتھ نہ چھوڑا تمام عمر
دن گزرے غم میں راتیں کٹیں پیچ و تاب میں

عشقِ صنم ہی باعثِ سوزِ دل ای نصیر
بندہ خدا کا ورنہ رہے کیوں عذاب میں

امتحاں روز مرے دل کے لیے جاتے ہیں
داغ پر داغ محبت میں دیئے جاتے ہیں

مردمِ چشم سے بھی پردے کیے جاتے ہیں
خواب میں آنے کے پیغام دیئے جاتے ہیں

شمع جلواتے ہیں دشمن سے مری تربت پر
بعد مردن بھی مجھے داغ دیئے جاتے ہیں

قیدِ ہستی سے چھٹے دیر نہیں گزری ہی
حشر تک کے لیے پھر قید کیے جاتے ہیں

خاک ہونا ہی محبت میں نہیں کافی ہے
خاک کے ذرے بھی برباد کیے جاتے ہیں

کس نے جانے کو گلے مل کے کہا تھا ان سے
جاتے جاتے مجھے بے چین کیے جاتے ہیں

آئی ہے اب کی برس فصل جنوں کچھ ایسی
دل گریباں کے عوض چاک کیے جاتے ہیں

تنگ آ کر یہ ارادہ ہے وہیں چھوڑ آئیں
آج دل کو اسی کوچے میں لیے جاتے ہیں

تو کسی روز عیادت کے لیے آئے گا
اس سہارے ترے بیمار جیے جاتے ہیں

مرگ غربت میں کفن تک نہیں ملتا ان کو
پیرہن جن کے لیے روز سیے جاتے ہیں

بزم اور بزم بھی کیسی کسی بے رحم کی بزم
میرے ارمان کہاں مجھ کو لیے جاتے ہیں

دیکھنے پائیں نہ تا سوئے چمن مرغ اسیر
اس لیے چاکِ قفس آج سیے جاتے ہیں

یار کو دے کے لیے جاتے ہیں ہم دردِ فراق
فیصلہ دل کا تصدیہ آج کیے جاتے ہیں

دل جلا کر رخِ پر نور کا جلوا دیکھیں
ہم بھی گھر پھونک کے اک روز تماشا دیکھیں

میری آنکھوں میں جو آ جائیں تو وہ کیا دیکھیں
بیٹھ کر پردے میں پتلی کا تماشا دیکھیں

چاہنے والے ترے کیوں سوے دنیا دیکھیں
تجھ کو جب دیکھ چکیں غیر کو پھر کیا دیکھیں

اللہ اللہ ہوسِ دید کہ ہم چاہتے ہیں
ہمہ تن چشم بنیں تجھ کو سراپا دیکھیں

عالم نزع ہے کہہ دو کہ ابھی جائیں نہ وہ
آئے ہیں تو مرے مرنے کا تماشا دیکھیں

زندگی کی نہیں معلوم حقیقت جن کو
جا کے وہ سیر حبابِ لب دریا دیکھیں

کوچۂ یار میں چل اے دلِ شوریدہ اثر
چل کے آنکھوں سے قیامت کا تماشا دیکھیں

صدقے اس حسن طلب کے کہ وہ فرماتے ہیں
نازکس دل پہ ہے ہم دل تو تمھارا دیکھیں

طور ہی پر نہیں موقوف ہے نظارہ نصیر
دیکھنے والے اسے چاہیں تو ہر جا دیکھیں

باغ عالم میں نہیں گلشن جنت میں نہیں
دل سی نعمت کوئی کونین کی دولت میں نہیں

اہل دنیائے محبت ہیں کہ راحت میں نہیں
اور راحت ہے کہ دنیائے محبت میں نہیں

میں ہی زنجیر کے ہاتھوں سے مصیبت میں ہوں
کیا مرے ہاتھ سے زنجیر مصیبت میں نہیں

کیف سے جس کے ہو ساقی کا تصور پیدا
بادہ ایسا ہو تو شک بادہ کی حلت میں نہیں

سب فریب نظر و چشم تماشائی ہے
ورنہ کچھ فرق مجاز اور حقیقت میں نہیں

عشق سرمایۂ راحت ہے کہ سرمایۂ غم
دل مصیبت میں بھی ہے اور مصیبت میں نہیں

وحشت عشق کہیں موت مٹا سکتی ہے
آپ دیکھیں گے کہ لاشہ مرا تربت میں نہیں

دیکھنے والوں سے پوچھے کوئی منظر اس کا
ان کے کوچے میں جو محشر ہے قیامت میں نہیں

ہاتھ رکھ کر دل مضطر پہ وہ فرماتے ہیں
تو مرے بخت میں ہے میں تری قسمت میں نہیں

کفر کیا چیز ہے اسلام کسے کہتے ہیں
ہوش اتنا ترے دیوانۂ الفت میں نہیں

آج میخانہ میں چھائی ہے گھٹا خوب نصیر
کوئی مے کش نہیں جو سایۂ رحمت میں نہیں

(و)

ڈال الجھن میں نہ اے گیسوئے جاناں مجھ کو
خود پریشاں ہوں نہ کر اور پریشاں مجھ کو

عشق میں بے سروسامانی ہے ساماں مجھ کو
مرگ ہے زیست مجھے درد ہے درماں مجھ کو

ساتھ میرے شبِ غم یہ بھی جلا کرتی ہے
ایک ہمدرد ملی شمعِ شبستاں مجھ کو

کس لیے چارہ گرو فکرِ رفو کرتے ہو
چاک کرنا ہے ابھی اور گریباں مجھ کو

راہ پائی ترے کوچے کی جو کی منتِ خضر
دیکھوں کس کس کے اٹھانے پڑیں احساں مجھ کو

ہر گھڑی ہے یہی دھن کوچۂ جاناں کو چلو
چین لینے نہیں دیتے مرے ارماں مجھ کو

مجھ سے ہو عشقِ بتاں ترک یہ ناممکن ہے
تو ستایا نہ کر اے ناصحِ ناداں مجھ کو

میں یہ کہہ دوں گا گدائے درِ احمدؐ ہوں نصیر
پھر نہ روکے گا درِ خلد پہ رضواں مجھ کو

نہ ہو ہمارے مقدر میں گلستاں تو نہ ہو
یہ آرزو ہے کہ برباد آشیاں تو نہ ہو

ستا رہے ہیں اگر وہ تو کون شاکی ہے
الٰہی بر سرِ بیداد آسماں تو نہ ہو

قفس میں ہوتی ہے رہ رہ کے روشنی کیسی
یہ خوف ہے کہ وہی برقِ آشیاں تو نہ ہو

وہ ذکر سن کے جسے ان کو رحم آتا ہے
کہیں وہ میری ہی فرقت کی داستاں تو نہ ہو

میں مضطرب نہیں لیکن خیال اتنا ہے
کہ میرے ساتھ عدو کا بھی امتحاں تو نہ ہو

چمک رہی ہے جبینِ نصیر محشر میں
یہ ان کے سجدۂ در کا کہیں نشاں تو نہ ہو

حکایتِ دلِ مجروح و ناتواں نہ سنو | مریضِ ہجر پہ گزریں جو سختیاں نہ سنو
سنو تو مجھ سے سنو ورنہ میری جاں نہ سنو | عدو کے منہ سے مرے غم کی داستاں نہ سنو
کہیں رقیب نہ ہو جائے بدگماں نہ سنو | سنو سنو! نہ سنو میری داستاں نہ سنو
تم اپنے دل ہی میں کچھ اس کا فیصلہ کر لو | شکایتِ ستم و جورِ آسماں نہ سنو
فراق و ہجر کی تکلیف اک کہانی ہے | کرو نہ وقت کو تم اپنے رائیگاں نہ سنو
ہے کون جس کو بیاباں میں لے گئی تقدیر | اڑائیں کس نے گریباں کی دھجیاں نہ سنو
کسی سے پھر مجھے شکوہ ہو کیا تغافل کا | جو میرا قصۂ غم تم ہی میری جاں نہ سنو

نصیرِ خستہ جگر کا فسانۂ غمِ عشق
تمہارے سننے کے قابل نہیں ہے ہاں نہ سنو

ہم خم پہ خم چڑھائیں کوئی بات بھی تو ہو | قسمت سے بادہ نوشوں کی برسات بھی تو ہو
موقوف مے کشی ہے مری روزِ عید پر | مجھ سا جہاں میں تارکِ لذات بھی تو ہو
کس واسطے ملال ہے کیوں انفعال ہے | آخر میری طرف سے کوئی بات بھی تو ہو
کیا خالی ہاتھ آئیں تری بزمِ ناز میں | کچھ بہرِ نذر ہاتھ میں سوغات بھی تو ہو

اس بت کو راہِ راست پہ لے آئیں گے نصیر
مل بھی تو جائے اس سے ملاقات بھی تو ہو

اٹھانا ہی پڑے گا فصلِ گل میں آشیاں مجھ کو | نظر آتی ہے کچھ بدلی نگاہِ باغباں مجھ کو
سمجھتا ہے مرا ضبطِ محبت بے زباں مجھ کو | سکھا دے اے خموشی تو ہی اندازِ فغاں مجھ کو

جہانِ بے خودی تک رفتہ رفتہ لے کے آ پہنچی
تمھاری جستجو اب لے کے جائے گی کہاں مجھ کو

مری گردش کا عالم پوچھتے کیا ہو مصیبت میں
زمینِ زیرِ پا سر پر بنی ہے آسماں مجھ کو

بہارِ نخلِ ایمن جلوۂ پارینہ ہے اب تو
ہر اک موجِ نگاہِ گل ہے برقِ آشیاں مجھ کو

خدا جانے کہ اقرارِ وفا نے کیا اثر ڈالا
وہ بت ہے صورتِ تصویر چپ دے کر زباں مجھ کو

اُٹھا گردِ قدم بن کر سرِ عرش تک پہنچا
زمینِ خاکساری نے بنایا آسماں مجھ کو

قفس نے کر دیا آزاد زندانِ تفکّر سے
چمن میں تھا غمِ صیّاد و خوفِ باغباں مجھ کو

جو دن راحت کے تھے ان میں بھی اک دردِ جگر پیدا
جوانی نے دیا پیغامِ مرگِ ناگہاں مجھ کو

نگاہِ آرزو اب ڈھونڈھتی ہے کس کو محفل میں
نہ کہتا تھا کہ پچھتاؤ گے کر کے رائگاں مجھ کو

وہ کہتے ہیں کہ خلّاقِ سخن کی یہ بھی قدرت ہے
کلام اپنا سناتا ہے نصیرِ بے زباں مجھ کو

کالی گھٹا ہو شام ہو ساقیِ گلعذار ہو
ایسے میں عذر کر کے کیوں کوئی گناہ گار ہو

آپ ہیں میری زندگی جب یہ غلط نہیں تو پھر
عہدِ وفا پر آپ کے کیا نہ مجھے اعتبار ہو

حشر میں رحمتِ خدا آئی پکارتی ہوئی
ہٹ کے کھڑا ہو دور وہ جو نہ گناہ گار ہو

سرمے کی کیوں ہے جستجو اٹھتی یونہیں نظر نہیں
آنکھ تری مریض ہے سرمہ کہیں نہ بار ہو

عمر تمام ہو گئی آپ کے انتظار میں
مجھ کو نہ ہو تو کس کو پھر موت کا انتظار ہو

فصلِ بہار ہے تو کیا آہ فراقِ یار میں
بادہ حرام ہے مجھے غیر کو خوش گوار ہو

شوق سوا ہے اے نصیر ہم موت کی آرزو کریں
کاش ہمارے بخت میں چین تہِ مزار ہو

(۵)

نزدیک آ کے حالِ دلِ مبتلا تو دیکھ
چہرے سے اب نقاب کا گوشہ ہٹا تو دیکھ

دعوے ہیں عاشقی کے، ذرا آزما تو دیکھ
ہاں ایک روز بوالہوسوں کی وفا تو دیکھ

شوقِ کرم کے ساتھ ہی ذوقِ جفا تو دیکھ
قربان تیرے تیغ نگاہیں اُٹھا تو دیکھ

ہو جائے امتحان ترے سرفروش کا
ہاں اپنی تیغِ ناز ذرا آزما تو دیکھ

تیرے کرم نے اور بھی گستاخ کر دیا
اپنے گناہ گار کا شوقِ خطا تو دیکھ

آنکھیں کھلی ہوئی ہیں ترے انتظار میں
مرنے کے بعد بھی نہ گیا آسرا تو دیکھ

واعظ لطافتِ مئے گلگوں میں کیا کہوں
کم بخت اپنے ہاتھ سے ساغر اُٹھا تو دیکھ

جھپکے اگر نگاہ تو آنکھیں نکال دوں
او دیدہ باز نظروں سے نظریں ملا تو دیکھ

وہ اضطرابِ شوق پہ کہتے ہیں بار بار
اظہارِ مدعا جو کہیں کر دیا تو دیکھ

باقی ہیں دل میں قتل کی بے تابیاں وہی
پھر ایک بار تیغِ ستم آزما تو دیکھ

ہر سجدہ گاہِ خلق در بت کدہ نصیر
جلوہ بتوں میں کس کا ہے شانِ خدا تو دیکھ

کیا ہوش اُڑائے ہیں لے جلوہ جانانہ
دل مجھ سے ہے بیگانہ میں دل سے ہوں بیگانہ

اک درسِ محبت ہے یہ ہمتِ مردانہ
چھوٹے سے پتنگے میں یہ ہمتِ مردانہ

خاموش فضاؤں سے سن کر ترا افسانہ
نیند آتی ہے راتوں کو سو جاتا ہے دیوانہ

کیوں حسن و محبت کی دنیا ہو جداگانہ
لیلیٰ کی اداؤں میں ہے قیس کا افسانہ

سودائی نہ سمجھو تم ہشیار ہے دیوانہ
اپنے سے ہے بیگانہ تم سے نہیں بیگانہ

ہم جلوۂ بے حد کو محدود نہیں کرتے
حق بیں کے لیے یکساں ہے کعبہ و بت خانہ

بدمست ریاکاری کیا جانے گا مے خواری
سو سجدوں پہ ہے بھاری اک لغزشِ مستانہ

اے حسنِ ازل تیری تنویر سے ہستی ہیں
ہر ذرہ ہے خاکستر ہر شمع ہے پروانہ

ساقی کا نظر کردہ ہو ظرف جو میکش کا
پیمانہ میں آجائے میخانہ کا میخانہ

مقصودِ حقیقت ہے مسجودِ عقیدت ہے
ہے کعبۂ اہلِ دل خاکِ درِ جانانہ

کانٹوں کو ہوئی جنبش ذرّوں میں پڑی ہلچل
آتا ہے بیاباں میں شاید کوئی دیوانہ

جو اہلِ بصیرت ہیں روشن ہے نصیر ان پر
اکسیرِ محبت ہے خاکسترِ پروانہ

ی

سوزِ پنہاں کا اثر تجھ کو دکھا دوں تو سہی
آہ سے پردہ ترے در کا جلا دوں تو سہی

نقشِ ہستی اس کے کوچے میں مٹا دوں تو سہی
خاک میں اے آبرو تجھ کو ملا دوں تو سہی

دیکھنا تاثیرِ الفت جذبِ دل بڑھنے تو دے
تجھ کو اے بے درد اپنا سا بنا دوں تو سہی

آج نامِ آشنائی ڈوب جائے یار ہے
رو کے ان کی بزم میں طوفاں اٹھا دوں تو سہی

دیکھ وحشت کا تماشا خاک اڑانے پر نہ جا
آسماں سے اے زمیں تجھ کو ملا دوں تو سہی

ہر قدم پر یہ بیاں ہے نقشِ پائے یار کا
میں زمیں پر بیٹھ کر فتنہ اٹھا دوں تو سہی

ہاتھ اٹھا کر اے جنوں انگڑائی لینے دے مجھے
زاویے کونین کے دونوں ملا دوں تو سہی

آنکھ کہتی ہے جیئے گا کیا مرا مارا ہوا
ہے بیانِ لب کہ ہیں اس کو جلا دوں تو سہی

بت تو بت ہیں میں اگر اپنی زباں کھولوں نصیرؔ
دَیر میں ہر برہمن کو بت بنا دوں تو سہی

غم بھی راحت ہے اگر اس کی محبت دل میں ہے
کامیابی کا مزا امیدِ لاحاصل میں ہے

جلوہ آرا شمع بن کر حسن ہر محفل میں ہے
دیکھنا ہے فطرتِ پروانہ کس کے دل میں ہے

کھوئی منزل اس نے یا منزل نے اس کو کھو دیا
ہوش کب اتنا کسی گم کردۂ منزل میں ہے

جانبِ دیر و حرم جائیں پئے تحقیق کیوں
کیوں نہ دل میں ڈھونڈ لیں رازِ حقیقت دل میں ہے

حیف اے شوقِ شہادت اس کو میں خنجر کہوں
یہ تو میری جان میرا دل کفِ قاتل میں ہے

موت سے حاصل ہوا مجھ کو مآلِ زندگی
گو نہیں ہوں میں مرا ماتم تو اس محفل میں ہے

دامنِ محشر سے اپنا منہ چھپا لوں کیا کروں
شرم آتی ہے کہ تو بھی اس بھری محفل میں ہے

کیا کہوں رازِ حقیقت سننے والا ہی نہیں
دیکھتا ہوں ایک دنیا بحثِ باطل میں ہے

آہ مرنے کی اجازت بھی نہیں دیتے مجھے
میری آسانی بھی اس کے ہاتھ مشکل میں ہے

آ گیا ان کے لبوں پر بھی تبسم اے نصیرؔ
کچھ عجب تاثیر آوازِ شکستِ دل میں ہے

اے جنونِ دلِ وارفتہ کے ساماں والے
لوں بلائیں ادھر آ زلفِ پریشاں والے

وصل کے دن بھی نہیں ہوتی ہے خاطر مسرور
یاد آ جاتے ہیں صدمے شبِ ہجراں والے

ہم سے پوچھو، انھیں کیا عشق کی راہیں معلوم ۔۔۔ خضر و الیاس تو ہیں بحر و بیاباں والے

حشر میں کس سے چھپائے ہوئے منہ ہے خاموش ۔۔۔ بات کر، عارضِ محبوب پہ داماں والے

جا کے بت خانے سے کیوں کفر کا فتویٰ لے آئے ۔۔۔ شیخ صاحب تھے بڑے آپ تو ایماں والے

توڑ دیں توبہ کو ہم مگر اندیشہ یہ ہے ۔۔۔ پھر نہ جائیں کہیں اقرار سے پیماں والے

اپنے کوچے میں، مجھے دیکھ کے فرماتے ہیں ۔۔۔ اب نہ آنا ادھر او چاک گریباں والے

عرضِ ارماں پہ وہ کہتے ہیں دکھا کر خنجر ۔۔۔ اس سے ارمان نکالیں مرے ارماں والے

سرد ہو جاتا ہے مرغانِ گرفتار کا دم ۔۔۔ یاد آتے ہیں قفس میں جو گلستاں والے

بیڑی پاؤں میں وہ منت کی پہنتے ہیں نصیرؔ ۔۔۔ اب نہ آزاد کئے جائیں گے زنداں والے

پہلو میں دبا رکھی ہے آگ محبت کی ۔۔۔ دیکھیں گے ذرا گرمی خورشیدِ قیامت کی

ہر صبح ہے محشر کی۔ ہر شب ہے قیامت کی ۔۔۔ کیا اٹھ گئی دنیا سے راحت مری قسمت کی

ہے راہ بہت مشکل صحرائے محبت کی ۔۔۔ اس دشت میں آخر تک منزل نہیں راحت کی

دن رنج و تاسف کا، شب درد و اذیت کی ۔۔۔ کرتے ہیں بسر عاشق کیا عمر مصیبت کی

ڈھونڈھے سے نہیں ملتی منزل کوئی راحت کی ۔۔۔ دنیا ہی نرالی ہے دنیائے محبت کی

جینے سے خفا ہو کر مرنے کی دعا مانگی ۔۔۔ اب کون گھڑی ہوگی یا رب تری رحمت کی

کرنی تو ہماری ہے، پھر جور کا شکوہ کیا ۔۔۔ کیوں تم پہ مٹے عاشق، کیوں تم سے محبت کی

پردے سے کبھی باہر وہ بت جو نکل آیا ۔۔۔ اک شان نظر آئی اللہ کی قدرت کی

پامال کیا تم نے، برباد کیا تم نے — اب خاک اڑاتے ہو بیٹھے مری تربت کی

اچھا تھا جو مر جاتا، غم سے تو اماں پاتا — کیوں تم نے دعا مانگی بیمار کی صحت کی

دورہ مئے گلگوں کا مجھ تک جو نہیں آیا — ساقی سے شکایت کیا گردش مری قسمت کی

ویران نہ کر دل کو برباد نہ ہو جائے — عالم مرے ارماں کا دنیا مری حسرت کی

اس گھر میں محبت کر راحت کی کہاں صورت — کیوں لائی مصیبت کو تقدیر مصیبت کی

غرقاب فنا ہونا سمجھے ہیں جسے ساحل — پہنچے ہیں وہی تہ کو دریائے محبت کی

جلوہ ہے خدائی کا اس حسن کی دنیا میں — کچھ قاف کی پریاں ہیں، کچھ حوریں ہیں جنت کی

روئیں گے نصیر اک دن اربابِ ستم مجھ کو
ہستی ہے مری ہستی دنیائے محبت کی

گزرتی ہیں شبیں تیرے مریضِ شامِ ہجراں کی — ہزاروں کی تمناؤں کی امیدوں کی ارماں کی

اگر فصلِ جنوں آجائے تو آسان ہو مشکل — گلے کی آستیں کی جیب و داماں کی گریباں کی

تو بندے خدا کے تم سے کیوں امید رکھتے ہیں — عنایت کی کرم کی رحم کی الطاف و احساں کی

الٰہی کوئی دل لے جائے یہ محفل اجڑ جائے — الم کی یاس کی حسرت کی بیتابی کی حرماں کی

اسیرانِ قفس کو فصلِ گل میں یاد آتی ہے — چمن کی باغ کی گلزار کی گل کی گلستاں کی

وہ کہتے ہیں کہ کس شخص سے شکایت ہم سے کرتے ہو — ستم کی جور کی ظلم و جفا کی رنج و ہجراں کی

مرے دل سے حسینانِ ستمگر داد لیتے ہیں — ادا کی ناز کی غمزے کی چشمِ فتنہ ساماں کی

جہاں میں قدر رہی تیرے لب و دنداں کے صدقے میں — گہر کی لعل کی یاقوت کی ہیرے کی مرجاں کی

ہماری گردش تقدیر سے بڑھ کر نہیں گردش
زمیں کی، آسماں کی، جامِ مے کی، چرخِ دوراں کی

جنونِ عاشقی میں ہم نے علوی خاک چھانی ہے
جبل کی، دشت کی، صحرا کی، وادی کی، بیاباں کی

وہ خوش ہوتے ہیں سن سن کر زباں سے مجھ پریشاں کی
فسانہ رنجِ فرقت کا کہانی دردِ ہجراں کی

اِدھر رخصت ہماری ہے، اُدھر شامِ غریباں کی
نہیں ہو سکتی اب خاطر کوئی مہماں سے مہماں کی

وہ کب کا ہو چکا تکلیف کیوں فرمائیے درماں کی
سحر کو دیکھنا صورت مریضِ شامِ ہجراں کی

نہیں کافی ہے جولانگاہ وحشت کے لیے ہرگز
مرے پائے جنوں نے ناپ لی وسعت بیاباں کی

یہاں بھی تو نظر آتا ہے عالم کچھ وہاں کا سا
یہ مجمع حشر کا ہے یا قیامت کوئے جاناں کی

نہ کرتے لطف اگر مجھ پر مبارکباد تو دیتے
اگر ان کو خبر ہوتی مرے حالِ پریشاں کی

ترستے مجھ کو مدت ہو چکی ہے اب تو ترساؤ
قسم تم کو مری اُمید کی، حسرت کی، ارماں کی

مجھے پہنا رہی ہے بدھیاں زخموں کے پھولوں کی
تری کافر نظر ترچھی، تری ظالم ادا بانکی

تو اپنی سرمگیں آنکھوں کی شوخی کا نہیں قائل
بلاؤں حورِ جنت کی، پری لاؤں پرستاں کی

دلِ مجروح میں زخموں سے گنجائش نہیں لیکن
جگہ حسرت نے رکھ چھوڑی ہے پھر بھی تیرے پیکاں کی

چکھائیں خون تلوے اور پلائیں آبلے پانی
تواضع اس طرح ہوتی ہے خارِ بیاباں کی

صعوبت راہ کی گھر میں مسافر بھول جاتا ہے
کہاں صبحِ وطن میں یاد اب شامِ غریباں کی

نصیرِ مردِ مومن کو صنم خانے میں موت آئی
بتوں کے سائے میں مدفون ہوئی میت مسلماں کی

سنگیِ دل ہوگئی آخر نمایاں دیکھئے
رکھ سکے رازِ محبت ہم نہ پنہاں دیکھئے

آگیا پھر موسمِ چاکِ گریباں دیکھئے
خود بخود کھلنے لگیں دامن کی کلیاں دیکھئے

شوق کہتا ہے خرامِ نازِ جاناں دیکھئے
کیا یہ ممکن ہے قیامت کو خراماں دیکھئے

جب بہار آئی تو مے خواروں کا ایماں دیکھئے
کس کا رہ جاتا ہے باقی عہد و پیماں دیکھئے

پھر گئی مجھ سے نگاہِ نازِ جاناں دیکھئے
میری قسمت کا نہ تھا ترکش میں پیکاں دیکھئے

ہاں گرادے جذبۂ شوق تماشائے بہار
آہ کب تک سبزۂ دیوارِ زنداں دیکھئے

سچ ہے کوئی بھی کسی کا ساتھ دے سکتا نہیں
ہے ہماری عمر بھی ہم سے گریزاں دیکھئے

کھینچئے آہیں مگر رکھئے خیالِ داغِ دل
گل نہ ہوجائے چراغِ زیرِ داماں دیکھئے

پھینک دیجے چیر کر پہلو کہ حاصل ہو سکوں
دل کو کب تک مبتلائے درد و درماں دیکھئے

ایک مشتِ خاک ہے بس اس کی ساری کائنات
اس پہ بھی فرعونِ بے ساماں ہے انساں دیکھئے

بات یہ بزمِ سخن میں دیکھنے کی ہے نصیر
دیکھئے کس طرح کہتے ہیں سخنداں دیکھئے

خاک برباد ہوئی سوختہ سامانوں کی
نعش بھی دفن نہ کی شمع نے پروانوں کی

دل کے چرچے تو حسینوں میں شب و روز رہے
بات پوچھی نہ کسی نے مرے ارمانوں کی

آپ حالِ دلِ بے تاب سنیں گے کیا خاک
پڑ گئی آپ کو تو پہلے ہی اوسانوں کی

جان پر کھیل کے اس بزم میں کیوں کر جاؤں
ہر نظر تیغ سے بڑھ کر ہے نگہبانوں کی

جب سے وحشت ہے نشانِ در و دیوار کہاں
خاک اڑتی ہے مرے گھر میں بیابانوں کی

اور پھر کون رہے دل میں جو ارمان رہیں — خانۂ دل تو ہی منزل انھی مہمانوں کی

دلِ عشاق سے آئینہ کو نسبت کیا ہی — تم نے دیکھی نہیں صورت ابھی حیرانوں کی

وعدۂ مہر و وفا روز کہاں تک ہوں گے — کوئی حد بھی ہی ستمگر ترے پیمانوں کی

دشت پر ہی نہیں موقوف تماشائے جنوں — سیر گلشن میں بھی ہی چاک گریبانوں کی

دیکھیں کیوں کر تری جانب ترا شکوہ کر کے — آنکھیں اُٹھتی نہیں محشر میں پشیمانوں کی

ایک دل، خاطرِ صد تیرِ نظر، اے توبہ — اتنی کثرت نہیں دیکھی کہیں مہمانوں کی

نزع کے وقت نہ آؤ گے تو کب آؤ گے — جب اُجڑ جائے گی دنیا مرے ارمانوں کی

باغ میں سبزہ کو پامال وہ کرنے آئے — بیشتر اپنوں سے خاطر ہوئی بیگانوں کی

وہ زمانہ ہی کہ اب بات نہیں سنتا ہی — ہندو ہندو کی مسلمان مسلمانوں کی

پھینک میخانے سے دلہائے شکستہ ساقی — کیا یہ دوکان ہی ٹوٹے ہوئے پیمانوں کی

دیکھ مستی بھری آنکھوں سے دوبارہ مجھ کو — اور تھوڑی سی پلا دے انھی پیمانوں کی

نہ ہوئے گر مئے و معشوق وفرا میر نصیر
کس طرح ہوگی بسر خلد میں انسانوں کی

مری دشمن نگاہِ شرمگیں معلوم ہوتی ہی — نکلتی آج بھی حسرت نہیں معلوم ہوتی ہی

یہ کس کے نقشِ پا پر اپنا سر رکھتا ہی جھک جھک کر — مجھے سجدے کے قابل یہ زمیں معلوم ہوتی ہی

کرشمہ ہی تمھاری ہی نگاہِ ناز کا شاید — چھری سی اک رگِ جاں کے قریں معلوم ہوتی ہی

چلو اب ہو چکا خاموش بیمارِ شبِ فرقت — ذرا تم نبض تو دیکھو کہیں معلوم ہوتی ہی

کیا ہے کس وحشت سے چاک جیب سے بڑھ گئی تر ہیں
ہماری آستیں اب آستیں معلوم ہوتی ہے

تمناؤں میں ہلچل ہے۔ قدم رک رک کے اٹھتے ہیں
یہ شاید کوئے جاناں کی زمیں معلوم ہوتی ہے

دہلتی ہے لرزتی ہے زمیں گورِ غریباں کی
دلِ بے تاب کی تربت یہیں معلوم ہوتی ہے

نصیر اس بت کی الفت جا نہیں سکتی مرے دل سے
یہ مجھ کو حاصلِ دنیا و دیں معلوم ہوتی ہے

جانے کو حسن کے آنکھیں برسا رہی ہیں پانی
طوفان اٹھ رہا ہے دیکھو او ستم کے بانی

موقع سے آئی تجھ پر صدقے مری جوانی
لے لوں تری بلائیں لے مرگِ ناگہانی

خاموش برق رقصاں ہے کون سننے والا
کیوں اضطرابِ دل کی کرتی ہے ترجمانی

گو آتش ندامت مجھ کو جلا دے لیکن
دامن اگر نچوڑوں دوزخ ہو پانی پانی

(ناتکمل)

جب رنگِ جہاں مائلِ تغیر نہیں ہے
آئینہ میں تو ہے تری تصویر نہیں ہے

تدبیر جو منت کشِ تقدیر نہیں ہے
وہ اور کوئی چیز ہے تدبیر نہیں ہے

وہ جاگ اٹھیں اتنی بھی تاثیر نہیں ہے
اتنا بھی رسا نالۂ شبگیر نہیں ہے

دل زد پہ ہوں فتراک میں نخچیر نہیں ہے
شاید ترے ترکش میں کوئی تیر نہیں ہے

کیا ہے کہ ہیں پابند اسیرانِ محبت
کچھ پاؤں میں زنجیر سی زنجیر نہیں ہے

خود تیری ہی تحریک انا الحق کی صدا تھی
منصور کی اس میں کوئی تقصیر نہیں ہے

خود عشق کے جلووں نے کیا حسن کو روشن
بالذات کوئی شمع میں تنویر نہیں ہے

آزاد کیا مجھ کو گلے تیغ نے مل کر
اب طوق و گریباں بھی گلوگیر نہیں ہے

کیا بن گیا زندانِ جنوں شہرِ خموشاں
کیوں آج بپا ماتمِ زنجیر نہیں ہے

لیتا عوضِ حسرت و ارماں مگر افسوس
تقدیرِ عدو کی مری تقدیر نہیں ہے

اظہارِ وفا کرکے بہت دل میں خجل ہوں
جو پہلے تھی اب وہ مری توقیر نہیں ہے

مافات کی تم اور تلافی کرو آکر
ایسی مری قسمت مری تقدیر نہیں ہے

ہوں جان پہ کھیلے ہوئے مقتل میں تو چلیے
یا سر مرا یا آپ کی شمشیر نہیں ہے

شاید نہ ہو قیدِ غمِ گیسو سے رہائی
کہتے ہیں کہ اس خواب کی تعبیر نہیں ہے

دل صید، جگر صید، یہ اعزاز تو دیکھو
سینے پہ ذرا بھی اثرِ تیر نہیں ہے

قاتل کو مرے لاشۂ عریاں کی ہے کیوں فکر
کیا بہرِ کفن دامنِ شمشیر نہیں ہے

کیا کھینچ کے سینے سے لیے جاتا ہے دیکھوں
ظالم یہ مرا دل ہے ترا تیر نہیں ہے

پا جاؤ گے تم داد نصیرؔ اپنی غزل کی
تاباںؔ تو ہے اس عہد میں گو میرؔ نہیں ہے

مقتولِ جرمِ عشق کی اک یادگار ہے
باقی جہاں میں قصۂ منصورؒ و دار ہے

ہر ذرۂ مزار پہ جنت نثار ہے
میرا غبارِ خاک رہِ کوئے یار ہے

پیراہنِ اہلِ عشق کا پھر تار تار ہے
کیا پھر چمن میں آمدِ فصلِ بہار ہے

جلوہ نما چمن میں رخِ گل عذار ہے
صدقے بہارِ حسن پہ حسنِ بہار ہے

جینے کی آرزو ہے نہ مرنے کا خوف کچھ
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں ترا انتظار ہے

وہ پرسشِ الم کے لیے آ رہے ہیں خود
اب ختم داستانِ شبِ انتظار ہے

گھبرا رہے ہیں دیکھ کے ذرّوں کا اضطراب
ان کو خبر نہیں ہے یہ کس کا مزار ہے

ہم چھا رہے ہیں عالمِ ہستی پہ بعدِ مرگ
یہ آسماں نہیں ہے ہمارا غبار ہے

کعبے کی راہ بھول کے پہنچے یہاں نصیبؔ
قسمت کی بات یا کششِ کوئے یار ہے

کرشمے دیکھئے ان کی نظر کے
کہ دل کر کر دئے ٹکڑے جگر کے

چبھے جو دل میں سینے سے گزر کے
وہ پیکاں تھے ترے تیرِ نظر کے

خراب اضطرابِ شوق ہوں میں
الٰہی پر لگا دے نامہ بر کے

وہ خود دامن سے آنسو پونچھتے ہیں
زہے مقسوم میری چشمِ تر کے

ابھی ہو طور کا عالم نمایاں
نقاب اُن کی سرِ محفل جو سرکے

بپا ہو جائے اک طوفانِ تازہ
جو کر لوں جمع آنسو رات بھر کے

قفس کی تیلیوں سے بھی نہ نکلے
وہ نالے تھے کسی بے بال و پر کے

چلا آتا ہے کوئے دل ربا سے
قدم کیوں کر نہ لوں میں نامہ بر کے

وہ لپٹے ہیں مری خاکِ لحد سے
مٹے مرقد میں شکوے عمر بھر کے

پہنچ جاتا ہوں اکثر لامکاں تک
تصوّر میں تمہارے سنگِ در کے

شرابِ ناب کے چھینٹوں کے صدقے
دُھلے دھبے مرے دامانِ تر کے

گرایا چشمِ تر نے خاک پر کیوں
نصیبؔ آنسو نہ تھے ٹکڑے جگر کے

دل نشیں اس بت کی صورت ہو گئی — اس طرح کعبے کی زینت ہو گئی

مے کشی کی پھر جو نیت ہو گئی — ابر رحمت کی بدولت ہو گئی

اک طرف اپنی طبیعت ہو گئی — جس سے ہونی تھی محبت ہو گئی

غیر سے اور صلح توبہ کیجیے — ہو گئی جس سے عداوت ہو گئی

سو رہا تھا قبر میں کس چین سے — آنکھ کھلتے ہی قیامت ہو گئی

بارے اب کہنے لگا تنگ آ کے دل — ہائے کیوں ان سے محبت ہو گئی

اب قیامت اس سے بڑھ کر ہو گی کیا — جو شبِ غم کی بدولت ہو گئی

تھا سکوں جب تک وہ بیٹھے رہے — جب اٹھے برپا قیامت ہو گئی

ایک قالب جان دو ممکن نہیں — آپ آئے جان رخصت ہو گئی

امتیازِ کعبہ و بت خانہ کیا — ہم کو دونوں سے محبت ہو گئی

آفتابِ حشر ٹھنڈا ہو گیا — سایہ افگن ان کی رحمت ہو گئی

میری بے تابی پہ ہنستا تھا وہ شوخ — آئینہ دیکھا تو حیرت ہو گئی

ذاتِ پاکِ احمدِ مرسل نصیر
خلق کو شمعِ ہدایت ہو گئی

روئے جاناں نقاب کیا جانے — شمعِ روشن حجاب کیا جانے

تیری زلفیں سکھائے دیتی ہیں — ورنہ دل پیچ و تاب کیا جانے

اعتبارِ مذمتِ مے کیا — شیخ کیفِ شراب کیا جانے

عفو و عصیاں میں کیا توازن ہے
محتسب یہ حساب کیا جانے

ان کی الفت کا ہوگا کیا انجام
دلِ خانہ خراب کیا جانے

رند سے ذکرِ خلد اے واعظ
یہ عذاب و ثواب کیا جانے

میری ہستی ہے کامیابِ الم
عیش ناکامیاب کیا جانے

کیوں نصیرِ غریب پر ان کا
ہو رہا ہے عتاب کیا جانے

اللہ انتظار میں کل رات ہو گئی
وہ آج بھی نہ آئے یہ کیا بات ہو گئی

محشر میں بے حجاب کیا اضطراب نے
اس شور و شر میں اُن سے ملاقات ہو گئی

خود کامیاب نیست ہوئے، زندگی ملی
جب جان اپنی موردِ آفات ہو گئی

اظہارِ مدعا کا پھر آئے گا کون وقت
شکووں، گلوں میں ختم اگر رات ہو گئی

ساقی نے ہائے کب درِ میخانہ وا کیا
جب ختم انتظار میں برسات ہو گئی

ہونے لگا گمانِ محبت نصیر پر
یہ بے خودی تو کاشفِ حالات ہو گئی

ہے آرزو یہی نہ کوئی درمیاں رہے
میری جبینِ شوق ترا آستاں رہے

میرے لیے زمین بھی جب آسماں رہے
ہستی میں پھر کہاں مرا نام و نشاں رہے

کنجِ قفس ہو، باغ ہو، یا آشیانہ ہو
مایوسیوں نے ساتھ نہ چھوڑا جہاں رہے

تم سے اگر ملوں تو ملوں کھو کے آپ کو
کیا لطف اگر حجابِ دوئی درمیاں رہے

اے آہِ پُر شرار لگا دے چمن میں آگ
کیوں زیرِ بارِ منّتِ برقِ آشیاں رہے

آنکھوں نے آشکار کیا دل کے بھید کو
کس طرح پردہ داریِ رازِ نہاں رہے

دامن بچا کے گورِ غریباں سے چل دیئے
وہ میری خاکِ قبر سے بھی بدگماں رہے

آنکھوں میں اپنے کھینچ نہ لوں کیوں شبیہِ یار
تا اشکِ خونِ دل نہ مرا رائگاں رہے

وعدے کی رات ختم ہوئی صبح ہو چکی
فرمایئے کہ آپ ابھی تک کہاں رہے

اس کو بھی سوزِ غم سے جلا دیں گے اے نصیرؔ
ممکن نہیں کہ ہم نہ رہیں آسماں رہے

کسی کا لطف بھی تو ناتمام ہوتا ہے
کہ میرے خط میں عدو کو سلام ہوتا ہے

جنوں میں یوں مرا قصّہ تمام ہوتا ہے
کہ زندگی مرے مرنے کا نام ہوتا ہے

ہمارے دل سے جو کرتا ہے گفتگو ہر دم
وہ ہم سے دیکھیئے کب ہم کلام ہوتا ہے

لہو بھی دل کا اب آنکھوں میں کھنچ کے آتا ہے
شرابِ ناب سے لبریز جام ہوتا ہے

پیامِ مرگ سے بڑھ کر ہے یہ کرم ان کا
کہ میرے ہوتے ہوئے حکمِ عام ہوتا ہے

بڑے مزے کی کہانی ہے آ کے سن تو سہی
تمام عمر کا قصّہ تمام ہوتا ہے

تمام رات گزرتی ہے جاگتے مجھ کو
تمھاری یاد میں سونا حرام ہوتا ہے

وہ حزن و غم کی شکایت پہ مجھ سے کہتے ہیں
کہ رنج باعثِ عیشِ دوام ہوتا ہے

عنانِ زیست کے چھٹتے ہی پھر خدا جانے
سمندِ عمر کا کس جا مقام ہوتا ہے

ہمارے عشق سے ہی تیرے حسن کی شہرت
کہ ساتھ قیس کے لیلیٰ کا نام ہوتا ہے

سجا رہے ہو جو تم آج صبح سے گھر کو
نصیرؔ کس کے لیے اہتمام ہوتا ہے

تھے جدھر اغیار بیٹھے وہ اُدھر دیکھا کیے
اور کس حسرت سے ہم ان کی نظر دیکھا کیے

وصل کیسا، شکوہ کیسا اور کیسا عرضِ حال
وہ جو آئے، ان کی صورت رات بھر دیکھا کیے

دیکھتا گر بوالہوس ہرگز نہ لیتا نام عشق
ہم شبِ فرقت جو منظر رات بھر دیکھا کیے

ہم خطاکار اور کیا کرتے سرِ میدانِ حشر
اس کی رحمت کی طرف با چشمِ تر دیکھا کیے

وہ نہ آنا تھا نہ آئے آ گئی آخر قضا
چل بسا بیمارِ غم اور چارہ گر دیکھا کیے

زندگی ہم نے بسر کی ان کے وعدوں پر نصیرؔ
بیٹھے بیٹھے راہ ان کی عمر بھر دیکھا کیے

جب سے مرے سینے میں ظالم ترا پیکاں ہے
ہر درد میں لذت ہے، ہر زخم نمکداں ہے

اب تک بھی نہ وہ آئے ہونٹوں پہ مری جاں ہے
ایفا ہے بہت مشکل وعدہ بہت آساں ہے

بن آئی ہے وحشت میں اچھا سر و ساماں ہے
دامن ہے گریباں میں دامن میں گریباں ہے

بے تاب مجھے فرقت میں کر رہی ہے بے تابی
جب بھی وہی ساماں تھا اب بھی وہی ساماں ہے

فرقت میں بھی دن اپنے کیا خوب گزرتے ہیں
ہر گوشۂ تنہائی، ہم ہیں شبِ ہجراں ہے

کھنچتی ہیں رگیں تن کی وحشت میں دمِ آخر
ہر رشتۂ جان و دل ہر تارِ گریباں ہے

تیرے لیے مشکل ہے آنا مری بالیں تک
جانا ترے کوچے تک میرے لیے آساں ہے

لذت سی نصیرؔ اس کی ہے بے خبری واقف
ساقی کی نگاہوں سے جو کیف نمایاں ہے

عنایت اور تو کیا مجھ پہ وہ اس کے سوا کرتے
تمنا تھی میں کہتا حالِ دل اور وہ سنا کرتے

اگر وہ لطف کی نظروں سے ممنونِ جفا کرتے
نمک پاشی پہ زخمِ دل بھی شورِ مرحبا کرتے

مٹا کر ہستیِ موہوم کو فکرِ بقا کرتے
مزا جب تھا رہِ الفت میں اپنے کو فنا کرتے

اگر ہم آپ میں ہوتے تو ذکرِ مدعا کرتے
انھیں دیکھا تو غش آنے لگا کیا التجا کرتے

کسی دن وہ جو تنہائی میں مل جاتے تو لطف آتا
وہ ہم سے روٹھتے ہم اُن سے عرضِ مدعا کرتے

"چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی"
بتوں کے جور کا اللہ سے ہم کیا گلا کرتے

مٹایا خطِ بدبختی کو پیشانی سے یوں آخر
گلی تک ان کی پہنچے سجدہ ہائے نقشِ پا کرتے

خلافِ رسم و آئینِ وفا ہے جور کا شکوا
لگانا تھا اگر دل۔ دل کو ہم درد آشنا کرتے

پسند ان کو نہ تھا افسانہ گرمیِ محبت کا
وہ غیروں کی کہانی ہی سمجھ کر سن لیا کرتے

زباں پر مُہرِ خاموشی رہی جب زندگانی میں
خدا کے سامنے تیرا گلا کرتے تو کیا کرتے

اگر امید ہوتی وعدۂ محشر کے ایفا کی
قیامت میں بھی ہم اس سے وفا کا آسرا کرتے

نصیر اچھا کیا تم نے قناعت کا سبق سیکھا
ملا کیا ان کو جن کی عمر گزری التجا کرتے

چھین لیتا ہے حرم میں مرا ایماں کوئی
کیا نہیں گھر میں خدا کے بھی مسلماں کوئی

جس کی تعبیر پسِ مرگ ملا کرتی ہے
خواب ہستی سا نہیں خوابِ پریشاں کوئی

چاند لیتا ہی رہا مجھ سے تعلّی کی مدام
میرے گھر میں نہ ہوا رات کو مہماں کوئی

صبح بستر پہ جوانی کی وہ انگڑائی تھی
یا کہ خورشید سے تھا دست و گریباں کوئی

ان بتوں سے تو بس اللہ بچائے کہ نصیر
دشمنِ جاں ہے کوئی دشمنِ ایماں کوئی

اس میں میری کیا خطا ہے دل کی کیا تقصیر ہے
آپ کا حسنِ مکمل باعثِ تشہیر ہے

دل جگر دونوں میں پیوستہ تمہارا تیر ہے
اللہ اللہ کشتۂ الفت کی کیا تقدیر ہے

عشق کے مارے ہوؤں کی بس یہی جاگیر ہے
درد ہے غم ہے فغاں ہے آہِ بے تاثیر ہے

قبر میں بھی چین سے سونے کی کیا تدبیر ہے
نیند جب آئی تو فکرِ حشر دامن گیر ہے

خوبیِ تقدیر تھی یا گردشِ تقدیر ہے
آپ کا جانا ہماری موت کی تدبیر ہے

بعد مردن کام آئی سوزِ غم کی یادگار
شمعِ داغِ دل سے کنجِ قبر میں تنویر ہے

بارہا ہم موت کے پیغام کو ٹالا کئے
یہ سمجھ کر وہ بھی ان کے ظلم کی تشہیر ہے

وہ کب آئے جب کچھ بیمار میں باقی رہا
روح کو واپس بلا لینے کی کیا تدبیر ہے

توبہ کب ٹوٹی کہ واعظ نے دیا خود اٹھ کے جام
اس میں اے واعظ ہماری کون سی تقصیر ہے

پھر خدا کے واسطے ہلکی سی اک جنبش ادھر
میں نہیں سمجھا تری نظروں کی کیا تفسیر ہے

پوچھ کر دیکھوں ذرا سوزِ دلِ پروانہ سے
شام ہی سے انجمن میں شمع کیوں دلگیر ہے

پھر بہار آئی جنوں پھر سلسلہ جنباں ہوا
پھر وہی ہم ہیں وہی زنداں وہی زنجیر ہے

زندگی ہے درحقیقت رات کا خوابِ گراں
موت کیا ہے زندگی کے خواب کی تعبیر ہے

پوچھنا ہے اب انھی سے ایک دن رازِ وجود
یہ مری تصویر ہے یا آپ کی تصویر ہے

رک سکے تو روک لے آہِ رسا کے چند وار
او کماں بردوش قاتل یہ ہمارا تیر ہے

بس یہی رازِ اسیری ہے اب آگے کیا کہیں
عشق کہتے ہیں جسے اک قیدِ بے زنجیر ہے

تجھ کو یہ نازش کہ میں ہوں بے نیازِ این و آں
مجھ کو یہ دعویٰ کہ میری آہ میں تاثیر ہے

عشق کے خاموش عالم پر نہ جائے بے خبر
ہر تصور اک صحیفہ ہر نظر تفسیر ہے

بت کدے ہی تک نہیں کچھ منحصر میرا وقار
کعبہ والوں کے دلوں میں بھی مری توقیر ہے

کیا قیامت خیز ہے یہ منظرِ ناز و نیاز
حسن بھی دامن کشاں ہے عشق دامن گیر ہے

کس نے بھیجا تھا عدو کو لکھ کے خطِ اشتیاق
آپ ہی دیکھیں یہ کس کے ہاتھ کی تحریر ہے

پوچھتے ہیں آپ کیا حالِ نصیرِ خستہ جاں
رنج و غم کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے

چونکے نہ تھے کہ عمرِ دو روزہ گزر گئی
مانندِ بوئے گل اِدھر آئی اُدھر گئی

ہم کامیابِ زیست ہوئے جان نذر کی
ان کی نظر جو حدِ ستم سے گزر گئی

شوریدہ سر ہوں میں مجھے قسمت سے کام کیا
بن کر بگڑ گئی کہ بگڑ کر سنور گئی

کرتے ہم اُن سے وصل میں اظہارِ شوق کیا
شکوے گلے میں رات ہی ساری گزر گئی

وعدے کی رات نیند رہی صبح تک حرام
ہر دم نگاہِ شوق مری تا بہ در گئی

ساقی نے ہائے کب درِ میخانہ وا کیا
جب صبحِ عیش و شامِ جوانی گزر گئی

تا کے خمارِ میکدہ بیدار ہو نصیر
کعبہ میں شور ہے کہ نمازِ سحر گئی

بندگی کا کوئی صلا تو ملے
نہ ملیں بت اگر خدا تو ملے

جان کے مدعی وہ ہو جائیں — خیر سے دل کا مدعا تو ملے

سر کے بل میں ابھی پہنچتا ہوں — یار کے گھر کا راستا تو ملے

ساقی، ان مغبچوں کی خیر رہے — نہ ملے کچھ رہا سہا تو ملے

ذبح کرتے ہیں کہتے جاتے ہیں — عاشقی کی تجھے سزا تو ملے

شکوہ نا آشنا کا کیا کیجے — آشنا ہو کے آشنا تو ملے

راستہ روک دوں گا کچھ بھی ہو — آج وہ بانیِ جفا تو ملے

بعد میرے کسے ستاؤ گے — کوئی میرا سا باوفا تو ملے

زہر ہی وہ مجھے پلا دیں نصیر
مرض ہجر سے شفا تو ملے

دے دیا مشکل پسند ایسا ازل میں دل مجھے — اب نظر آنے لگی آسان ہر مشکل مجھے

ہو رہا ہے اس جگہ حاصل سکونِ دل مجھے — راس آتی ہے ہوائے کوچۂ قاتل مجھے

دینے والے تو اگر دیتا نہ دردِ دل مجھے — عمر بھر ہوتا نہ جینے کا کوئی حاصل مجھے

منزلِ جاناں سے بھی آگے کوئی منزل ہے کیا — اب کہاں لے کر چلا ہے اضطرابِ دل مجھے

اک جھلک دکھلا کے آنکھیں پھیر لیں یہ کیا کیا — میں ترے قربان جاؤں قتل کر قاتل مجھے

ساقی مستانہ تھا، دورِ مئے و پیمانہ تھا — یاد ہے اب تک وہ اگلی رونقِ محفل مجھے

خود فراموشی بھی ہے، سامانِ مدہوشی بھی ہے — پھر بھی ان کی یاد سے فرصت نہیں اے دل مجھے

چارہ گر حیران ہے تو کشمکش میں جان ہے — موت کا سامان ہے مرنا بھی ہے مشکل مجھے

الله الله ہر رگِ جاں اضطراب اندوز ہی
دردِ دل تو نے بنایا ہی سراپا دل مجھے

مرحبا او عشق لا محدود تیری وسعتیں
تیرے دریا کا نظر آتا نہیں ساحل مجھے

خوب پایا ہیں نے اپنی سرفروشی کا صلا
اپنے جاں بازوں میں بھی گنتا نہیں قاتل مجھے

زندگی تھی رنج و غم کی داستانِ مستقل
موت کی اُمید ہی تھی عشرتِ کامل مجھے

چین سے جینے نہیں دیتے زمانے میں کبھی
ایک تیری یاد کافر - ایک میرا دل مجھے

جو قدم اُٹھتا ہی اب وہ منزلِ مقصود ہی
یہ نظر آیا جنونِ شوق کا حاصل مجھے

الله الله وسعتِ راہ محبت اے نصیر
پہلی ہی منزل نظر آتی ہی ہر منزل مجھے

شوق کہتا ہی نہیں پردے سے باہر دیکھئے
رشک کہتا ہی نہیں بس دل کے اندر دیکھئے

جھک رہا ہی کس کے پائے ناز پر سر دیکھئے
میری قسمت دیکھئے میرا مقدر دیکھئے

مٹ گیا جھگڑا ہمیشہ کو فراق و وصل کا
آئیے خالی مریضِ غم کا بستر دیکھئے

داد خواہی کا مخالف ہی تقاضائے وفا
کن نگاہوں سے انھیں سوئے محشر دیکھئے

تھی اسی دل میں کسی کی جلوہ آرائی کبھی
آج کن آنکھوں سے یہ اجڑا ہوا گھر دیکھئے

آستاں سے آہ یہ کہکر اُٹھا دیتے ہیں وہ
اس جگہ سے آپ اُٹھئے دوسرا در دیکھئے

کون کہتا ہی نظر آتی نہیں تصویرِ دوست
ہستیِ موہوم کی حد سے گزر کر دیکھئے

کیجئے بہرِ خدا چشمِ عنایت کیجئے
دیکھئے حالِ دلِ بیمار و مضطر دیکھئے

یہ تقاضا حسرتِ نظارۂ پیہم کا ہے
ان کو اپنے سامنے پہروں بٹھا کر دیکھئے

سیکڑوں مشتاق ہیں مثلِ نصیرؔ مبتلا
آپ خلوت سے ذرا باہر نکل کر دیکھئے

منتوں سے نہ باز آئیں گے
آپ روٹھیں گے ہم منائیں گے

لاکھ سمجھائیں حضرتِ واعظ
ہم تو پھر میکدے کو جائیں گے

تیرے کوچہ سے اُٹھ نہیں سکتے
قبر اپنی یہیں بنائیں گے

حسن روپوش رہ نہیں سکتا
آپ پردے میں کیا چھپائیں گے

عشق کی اضطرابیوں کو نہ پوچھ
ہوش آنے دے پھر بتائیں گے

آپ کے سالکانِ منزلِ عشق
خضر کو راستہ بتائیں گے

دیکھنا اے نصیرؔ خیر نہیں
آج وہ تم کو آزمائیں گے

تری ہی برقِ تبسم جو کارساز رہے
تپاکہ سینۂ ہستی نہ کیوں گداز رہے

قیود رسم سے دل اپنا بے نیاز رہے
نہ ہوشِ سجدہ نہ احساسِ پائے ناز رہے

ہمیشہ حلقہ بگوشِ غمِ مجاز رہے
غرض ہم اپنی حقیقت سے بے نیاز رہے

درست پھر مری ہستی کا کیوں نہ ساز رہے
ادھر جو ان کی نگاہِ کرم نواز رہے

جہاں میں اب نہ کوئی حدِ بزمِ ناز رہے
جنونِ شوق ترا سلسلہ دراز رہے

شکستِ توبہ کی نیت نہیں مگر زاہد
گناہ کیا ہے جو ساقی سے ساز باز رہے

کرم کریں نہ کریں وہ شکایت اس کی نہیں
ستم تو یہ ہے ستم کرنے سے بھی باز رہے

جو اڑ گئے مرے ذرّات جا ملے اُن سے — جو رہ گئے وہ مری زندگی کا راز رہے

الٰہی صبح نہ ہو حشر تک، دعا یہ ہے — شبِ دراز ہماری شبِ دراز رہے

تری صدا جو کبھی آ چکی ہے کانوں میں — خدا کرے کہ وہی سامعہ نواز رہے

بھٹک گئے تھے جو ناوکِ خلش فزا ہیں وہی — جو آ گئے مرے دل تک وہ دل نواز رہے

روا ہے حسن کی سرکار میں جفا کیشی — کہو کہ عشق جنونِ وفا سے باز رہے

نصیرؔ کچھ بھی نہیں چاہتا بجز اس کے
مٹے تو مٹ کے بھی خاکِ رہِ حجاز رہے

پھول کیا گلشن کا گلشن مست ہے دیوانہ ہے — نغمۂ بلبل نہیں شاید مرا افسانہ ہے

عشق میں دل بے نیازِ کعبہ و بت خانہ ہے — اپنا سر ہے اور اب سنگِ درِ جانانہ ہے

جب سے میخانے میں وہ غارتِ گرِ میخانہ ہے — رقص کرتی ہے صراحی وجد میں پیمانہ ہے

ہوش میں وہ ہے جو عقل و ہوش سے بیگانہ ہے — مجھ کو جو دیوانہ کہتا ہے وہ خود دیوانہ ہے

وہ گلستاں جو خزاں سے صورتِ ویرانہ ہے — انقلابِ ہستیِ موہوم کا افسانہ ہے

ایک ٹھوکر میں جگا دو خفتگانِ خاک کو — حشر کیا ہے اک تمھاری لغزشِ مستانہ ہے

فصلِ گل نے آ کے پھر رندوں کو یک جا کر دیا — پھر وہی ہم ہیں، وہی ساقی، وہی میخانہ ہے

میں کہاں جا کر کروں عرضِ نیاز آرزو — بندہ پرور آپ نے تو کہہ دیا ’دیوانہ ہے‘

آپ ہی فرمائیں آخر عشق میں میری طرح — کون اپنی زندگی و موت سے بیگانہ ہے

وائے ناکامی کہ ہم قیدِ قفس سے کب چھٹے — سبزۂ گلشن بھی اپنے واسطے بیگانہ ہے

کام دے جاتی ہے یادِ چشمِ ساقی ہر جگہ / بیٹھ جائیں جس جگہ میکش وہیں میخانہ ہے

پھر مرے رقصِ محبت کا تماشا دیکھئے / آپ اتنا منہ سے کہہ دیں یہ مرا دیوانہ ہے

خانۂ صیاد ہے اب یا قفس کی تیلیاں / آشیاں کا تذکرہ افسانہ ہی افسانہ ہے

کس نے بلوایا ہے اپنی بارگاہِ ناز میں / ہر قدم پر ہم کو شوقِ سجدۂ شکرانہ ہے

پھر سرور آنے لگا ہے بے مئے و ساغر مجھے / پھر تصور میں کسی کی نرگسِ مستانہ ہے

جان دے کر بھی ادا ہوتا نہیں حقِ وفا / اے محبت ان کے قابل کون سا نذرانہ ہے

آنکھ اٹھا کر دیکھ اے ساقی ذرا سوئے فلک / یہ گھٹا ہے یا ہوا کے دوش پر میخانہ ہے

ق اے کہ تیری ہر نظر ہے بادۂ رنگیں بدوش / اے کہ تیری چشمِ میگوں حاملِ میخانہ ہے

۲ اے کہ تیری جنبشِ لب اک جہانِ سوز و ساز / تیری بزمِ ناز میں ہر شمع رو پروانہ ہے

۳ اے کہ تیری ذات سے روشن فضائے دلبری / تو جمالِ کائناتِ حسن کا افسانہ ہے

۴ اے کہ تو جلوہ فگن ہے اس مقامِ قدس پر / محوِ عمراں جہاں خاکسترِ پروانہ ہے

۵ اے کہ تیری یاد پر صدقے دل و ایمان و دیں / یہ بتا دے مجھ میں سہ کر مجھ سے کیوں بیگانہ ہے

ہے ترا ہی حسنِ تاباں باعثِ سوزِ نصیرؔ
شمعِ محفل پہ مدارِ ہستیِ پروانہ ہے

دل میں غمِ شبیر کا موجود ہونا چاہیے / بھری آنکھوں کو خوں آلود ہونا چاہیے

تھی جو قسمت میں ہدایت حُر نے دل میں ٹھان لی / بس رضائے شہ مرا مقصود ہونا چاہیے

بزمِ ماتم میں گرا کر دانہ ہائے اشکِ غم / خوشہ چینِ خرمنِ بہبود ہونا چاہیے

جو ہے آلِ مصطفیٰ کے عشق کا سرمایہ دار
کیوں اسے فکرِ زیان و سود ہونا چاہیے
ہو چکا مذبوح جب تیرِ ظلم طفلِ شیر خوار
ظلم کیا اب اور اسے مردود ہونا چاہیے

کہنے والے کہہ گئے ہیں بات اچھی اے نصیر
غیر کو حاسد تجھے محسود ہونا چاہیے

جو اٹھتا ہے وہ افسردہ تری محفل سے اٹھتا ہے
تعجب ہے کہ اس پر بھی بڑی مشکل سے اٹھتا ہے
نہ آسانی سے اٹھتا ہے نہ وہ مشکل سے اٹھتا ہے
جو آجاتا ہے مر کر کوچۂ قاتل سے اٹھتا ہے
عدو ہوں خواہ میں ہوں آہ تیرے ہجر کا صدمہ
نہ اس کے دل سے اٹھتا ہے نہ میرے دل سے اٹھتا ہے
نزاکت کا تو شاہد میں بھی ہوں لیکن یہ حیرت ہے
کہ بارِ خونِ ناحق کس طرح قاتل سے اٹھتا ہے
نہیں معلوم کیا گزری ہے آگے جانے والوں پر
الٰہی خیر۔ رک رک کر قدم منزل سے اٹھتا ہے
کوئی دم اور رو لے شمع پروانوں کے ماتم میں
دھواں کچھ کچھ ابھی خاکسترِ محفل سے اٹھتا ہے
رفاقت ہم سفر کرتے نہیں اللہ حافظ ہے
اگر اک بیٹھتا ہے دوسرا منزل سے اٹھتا ہے
اگر شرمِ گنہ سے ڈوبنے جاتا ہوں دریا میں
وہ عاصی ہوں کہ شورِ الاماں ساحل سے اٹھتا ہے
وہیں عشاق کا مسکن وہیں مشہد وہیں مدفن
جنازہ کب کسی کا کوچۂ قاتل سے اٹھتا ہے

نصیر آنکھوں نے اپنی دیکھے کیا کیا انقلاب اب تک
نہیں اس پر بھی پردہ دیدۂ غافل سے اٹھتا ہے

چشم پرنم قلب غم آلود ہونا چاہیے
داستانِ دردِ نامحدود ہونا چاہیے
یوں بیانِ دردِ نامحدود ہونا چاہیے
دل میں لب پر آہ میں موجود ہونا چاہیے

اس لیے ہیں اس کے دامن میں تڑپ کر گر پڑا
دامنِ جلاد خوں آلود ہونا چاہیے

عشق میں تیری طلب تیرے تصور کے سوا
تو ہی کہہ دے اور کیا مقصود ہونا چاہیے

مرنے والوں کو غمِ تاریکیِ مرقد ہو کیوں
دل میں تیرا داغِ غم موجود ہونا چاہیے

زندگی غم سے کٹے یا عیش سے پروا نہیں
آدمی کی عاقبت محمود ہونا چاہیے

کھل گیا بابِ حریمِ دل ہوئے وہ جلوہ گر
اب درِ دیر و حرم مسدود ہونا چاہیے

حشر میں جب میں طلب ہوں داورِ محشر کے پاس
تجھ کو اے ظالم وہاں موجود ہونا چاہیے

عاشق و معشوق و حسن و عشق کی تفریق کیا
اک کو شاہد ایک کو مشہود ہونا چاہیے

جس کو چاہو اپنا تم بندہ بنا لو کیا ایاز
ہاں مگر جذبِ دلِ محمود ہونا چاہیے

ہر طرف عشاق بیٹھے ہیں نہیں ہے اک نصیر
وہ بھی تیری بزم میں موجود ہونا چاہیے

مجھے ملال نہیں دل جو پیکرِ غم ہے
ترے خیال کی دنیا تو ہے یہ کیا کم ہے

اگر یہی ترے جلووں کا عام عالم ہے
فضائے کون و مکاں بھی ترے لیے کم ہے

نہ بن سکے گی مرے دل سے جب یہ عالم ہے
تمہاری زلفِ رسا خود تمہیں سے برہم ہے

وہ بے حجاب کہ تو آشنائے عالم ہے
وہ باحجاب کہ نا آشنائے محرم ہے

الٰہی ٹوٹ کے سوفار ہی کوئی رہ جائے
کہ میرے زخمِ جگر کو تلاشِ مرہم ہے

ستم ظریف نہ کر آزمائشِ الفت
نہ دل کو چھیڑ اسی پر بنائے عالم ہے

ترے فراق کی موزونیت کو ہم سمجھے
یہ جس قدر ہے زیادہ اسی قدر کم ہے

ڈرا اُسے کہ قیامت نہ جس نے دیکھی ہو — تری گلی میں قیامت کا روزِ عالم ہے

جہانِ عشق نمایاں ہے نوکِ مژگاں پر — ہر ایک لختِ جگر شکلِ ساغرِ جم ہے

فلک نے طرز اُڑائی ہے چشمِ گریاں کی — بہارِ رشحاتِ مسلسل فروغِ شبنم ہے

یہ دادِ حسرتِ دیدار تھی دمِ آخر — کہ آئے کہتے ہوئے اب بھی آنکھ میں دم ہے

نہ چھیڑ گفتگوئے بابِ حسن و عشق نصیرؔ — کھلے گا حشر میں یہ راز ابھی تو مبہم ہے

وصل نہ ہو وصال ہو یوں نہ سہی تو یوں سہی — غم کا کوئی مآل ہو یوں نہ سہی تو یوں سہی

وعدے کی انتہا ہے کچھ شرطِ پئے وفا ہے کچھ — ماہ نہیں تو سال ہو یوں نہ سہی تو یوں سہی

بات ہے یہ تو ایک ہی گر نہ ملے وہ جیتے جی — خاک ہی پائمال ہو یوں نہ سہی تو یوں سہی

آئے اگر نہ روبرو، جلوہ فگن ہو دل میں تو — کوئی تری مثال ہو یوں نہ سہی تو یوں سہی

گر ہے حرام خودکشی ذبح کرے وہ آپ ہی — موت مجھے حلال ہو یوں نہ سہی تو یوں سہی

شکوہ سے ہے یہ مدعا خوش وہ نہیں تو ہو خفا — میرا اسے خیال ہو یوں نہ سہی تو یوں سہی

ساقی شراب دے نہ دے دیکھ لے چشمِ مست سے — پورا مرا سوال ہو یوں نہ سہی تو یوں سہی

پڑھ دے نصیرؔ وہ غزل جس میں ہے یادگارِ فن — تیرا عیاں کمال ہو یوں نہ سہی تو یوں سہی

تمہارا حسن ہوگا عشق کے قصے بیاں ہوں گے — ہمیں تو قتل کرتے ہو بتاؤ ہم کہاں ہوں گے

لحد میں خواب میں یا زندگی میں یا قیامت میں — بتاؤ تو یہ وعدے وصل کے پورے کہاں ہوں گے

عبث مانگی تھی بلبل نے دعائے جوشِ گل رو کر ۔ نہ تھا معلوم جلوے ان کے برقِ آشیاں ہوں گے

نہ کر آزاد اے صیاد رہنے دے قفس ہی میں ۔ نشیمن میں رہیں گے ہم تو جورِ باغباں ہوں گے

عبث کرتے ہو وعدہ حشر کے دن ہم سے ملنے کا ۔ کہ اس دن تم کہاں ہو گے نہ جانے ہم کہاں ہوں گے

بہشت و حور و غلماں کے تو ہم منکر نہیں لیکن
نصیرؔ افسوس یہ احباب کے جلسے کہاں ہوں گے

لب پہ واعظ کے حدیثِ کوثر و تسنیم تھی ۔ بزمِ ساقی میں شرابِ ناب کی تقسیم تھی

میں دبستانِ ازل میں فارغ التحصیل تھا ۔ قدسیوں کو ابتدائے عشق کی تعلیم تھی

موجِ مے خم سے اٹھی نظریں اٹھیں ساقی اٹھا ۔ میں جو پہنچا میکدے تو یہ مری تعظیم تھی

تو نے کیوں دل توڑ کر بدعت نئی کی آشکار ۔ کیا خدا کے گھر میں اے بت حاجتِ ترمیم تھی

عاشقی میں غیر سے کیوں کر ہو رسمِ اتحاد ۔ آپ کا اصرار ملنے کی نئی تنظیم تھی

آرزوئے سرفروشی کا زمانہ یاد ہے ۔ تیغ کی جو بات تھی سر سے مجھے تسلیم تھی

ڈھونڈھتی تھیں میری نظریں اس کی رحمت کو نصیرؔ
آہ محشر بھی عجب جائے امید و بیم تھی

دوستوں کو آشنائے دشمناں دیکھا کیے ۔ عمر بھر ہم انقلابِ آسماں دیکھا کیے

کیا قیامت خیز منظر تھا کہ میں تھا جاں بلب ۔ وہ تماشائے فراقِ جسم و جاں دیکھا کیے

کیا قفس سے چھوٹ کر کرتے چمن کی آرزو ۔ آشیانے میں جفائے باغباں دیکھا کیے

ہم صنم خانے میں کیا ہوتے شریکِ دورِ مے ۔ دور بیٹھے گردشِ چشمِ بتاں دیکھا کیے

لوگ سرگرمِ مدارات و وفا تھے اور ہم
کس پہ پڑتی ہے نگاہِ میہماں۔ دیکھا کیے

میکدے میں رندِ محوِ جامِ مے تھے اور ہم
ساقیِ بدمست کی انگڑائیاں دیکھا کیے

خیر تو ہے آپ کے بیمار کا کیا حال ہے
دیر تک کیوں آپ نبضِ ناتواں دیکھا کیے

محفلِ احباب میں جب تک رہے ہم اے نصیر
رنگِ حسنِ التفاتِ دوستاں دیکھا کیے

وقت ملے گا اور بھی ناز و ادا کے واسطے
جان مری لبوں پہ ہے آ بھی خدا کے واسطے

شکوۂ قسمتِ ازل کیجے کیا سمجھ لیا
تم ہو جفا کے واسطے۔ ہم ہیں وفا کے واسطے

کوئی خطا نہیں تو اب وصفِ ادا ہے میرا جرم
کوئی بہانہ چاہیئے میری قضا کے واسطے

یہ بھی تو اک گناہ ہے کیوں نہ ہوئے گناہ گار
کوئی تو جرم چاہیئے میری سزا کے واسطے

ان سے نصیر کہہ نہ دو دردِ وفا نہ جائے گا
آپ نہ درد مول لیں میری دوا کے واسطے

میں تڑپوں اور جہاں دیکھے تو اس کی کیا شکایت ہے
تمہارا درد خود افشا کنِ رازِ محبت ہے

تمنا تھی کبھی جینے کی اب مرنے کی حسرت ہے
وہ آغازِ محبت تھا یہ انجامِ محبت ہے

اجل کو منع کرتے ہیں خود بالیں سے اٹھتے ہیں
نہ جینے کی اجازت ہے نہ مرنے کی اجازت ہے

ہیں وہ دل سے بدگماں اور دل ہے بدگماں مجھ سے
محبت میں مصیبت خیز جو شے ہے رقابت ہے

کروں طے سر کے بل کیوں کر نہ راہِ کوچۂ قاتل
طریقِ عشق میں یہ رسمِ آدابِ محبت ہے

سنا تم نے بھی مجھ کو دیکھ کر کیا غیر کہتے ہیں
یہ اس کا چاہنے والا ہے جس کو اس سے نفرت ہے

مجھے بھی ناز ہی خوئے نیازِ عاشقانہ پر — اگرچہ جانتا ہوں بے نیازی تیری عادت ہی
کسی کی زلف کا بن کر گرہ نا غیر کیا سمجھیں — مرے حالِ پریشاں کا تصور وقفِ زینت ہی
یہاں تو دشتِ آزادی میں بھی عالم ہی زنداں کا — کہ اب زنجیرِ پا ہر جادہ صحرائے وحشت ہی
کبھی کہتا ہوں تو نے مار ڈالا اے غمِ الفت — کبھی کہتا ہوں لطفِ زندگی تیری بدولت ہی

نصیرؔ اپنے تعارف کے لئے کافی ہی بس اتنا
غلامِ پیرِ میخانہ ہوں ساقی سے ارادت ہی

جب مرتب فردِ قتلِ بے گناہاں کیجئے — خونِ ناحق ہی کی سرخی زیبِ عنواں کیجئے
کیا شبِ وعدہ امیدِ وصلِ جاناں کیجئے — کیوں سحر تک انتظارِ مرگ ساماں کیجئے
ذکرِ حسن و عشق زیبِ طاقِ نسیاں کیجئے — یاد کیا بھولا ہوا خوابِ پریشاں کیجئے
گھر میں تنکا ہی نہ اب تارِ گریباں جسم پر — کیا مداراتِ جنونِ فتنہ ساماں کیجئے
شرط بھی اک قید ہی گو ہو وہ آزادی کی شرط — کیوں لگا کر شرط آزادی کو زنداں کیجئے
جس کا دل ٹوٹے گا وہ اُف بھی کرے گا آہ بھی — آپ کیوں عذرِ شکستِ عہد و پیماں کیجئے
زندگی کا کون کرتا ہی جہاں میں اعتبار — کیا وفا کی آپ سے امیدِ اے جاں کیجئے

عہدِ پیری میں خیالِ نوجوانی کیا نصیرؔ
صبح ہی شب ہو چکی کچھ اور ساماں کیجئے

وطن میں ہوں مسافر ہیں یہ نقشے تنگدستی کے — نہیں پہچانتے احباب مجھ کو میری بستی کے
خدا محفوظ رکھے ان ریاکارانِ ملت سے — زباں پر کلمۂ توحید بندے بت پرستی کے

ملا کرتی ہے انساں کو بلندی خاکساری سے
کبھی چمکیں گے تارے بن کے ذرے میرے پستی کے

جھکانے سر پائے تھے کہ قاتل وار کر بیٹھا
شہیدانِ وفا ممنون ہیں اس پیش دستی کے

نصیر ان کی نظر کب شیشہ و ساغر پہ پڑتی ہے
جو متوالے ہیں چشم ساقیِ رعنا کی مستی کے

عاشقی جان ہوئی جاتی ہے
بلکہ ایمان ہوئی جاتی ہے

آپ کی بات جو کل تک تھی حدیث
آج قرآن ہوئی جاتی ہے

آ رہا ہے کوئی شمشیر بکف
مشکل آسان ہوئی جاتی ہے

زلفِ جاناں میں بلائیں لے لوں
کیوں پریشان ہوئی جاتی ہے

بس بس لے لطفِ تجلی بس بس
آنکھ حیران ہوئی جاتی ہے

ان سے کچھ دن نہیں گھبرائے دل
جان پہچان ہوئی جاتی ہے

کل تک ان کی تھی او ظالم نصیر
آج احسان ہوئی جاتی ہے

لے گیا دل ہنسی ہنسی میں کوئی
دے گیا داغ دل لگی میں کوئی

کر گیا نام عاشقی میں کوئی
دے گیا جان بے کسی میں کوئی

صدقے ہوتی ہے لاکھ آرائش
جب سنورتا ہے سادگی میں کوئی

(نامکمل)

چلی آخر بدن سے جانِ زار آئی تو کیوں آئی
خزاں بن کر گلستاں میں بہار آئی تو کیوں آئی

کیا ہے ہم کسی نے یاد شاید بھول کر ہم کو — دمِ آخر جو ہچکی بار بار آئی تو کیوں آئی
مرے حق میں ستم بھولا ہوا یاد آگیا کوئی — سواری آپ کی سوئے مزار آئی تو کیوں آئی
نہ پوچھا جب اسیرانِ قفس سے کیا گزرتی ہے — خزاں آئی تو کیوں آئی بہار آئی تو کیوں آئی

نصیرؔ اس منہ پہ کرتے ہو وفاداری کا دعویٰ تم
شکایت ان کی لب تک بار بار آئی تو کیوں آئی

خیال میں بھی جو وہ ہم کنار ہوتا ہے — سکوں پذیر دلِ بے قرار ہوتا ہے
وہ دل جو سینے میں اُمیدوار ہوتا ہے — وہی نگاہِ غلط کا شکار ہوتا ہے
اگرچہ مر کے بھی ہم دیں ثبوتِ عشق انہیں — ہماری بات کا کب اعتبار ہوتا ہے
کسی سے ان کو بھی پالا پڑے تو حال کھلے — کہ کس طرح کوئی اُمیدوار ہوتا ہے

نصیرؔ شاد ہیں پھر بھی کہ عاشقی کے سبب
جنوں زدوں میں ہمارا شمار ہوتا ہے

کھلی کلیاں بہارِ رنگ و بو سے — چمن کے پھول مہکے تیری بو سے
اجازت ہی نہیں پیرِ مغاں کی — پیوں کس طرح مے ترکِ وضو سے
نصیبِ دشمناں سکتہ نہ ہو جائے — ہٹا دو آئینہ کو روبرو سے
کبھی تھے "آپ" پھر ہم ہو گئے "تم" — مخاطب اب کئے جاتے ہیں "تو" سے
ستم تیرا تغافل سے ہے اچھا — میں باز آیا وفا کی آرزو سے
نہالِ تیغ میں آجائے گا پھل — اگر سینچو گے تم میرے لہو سے

محبّت کا وہ رونا روئے علوی
جو دھولے ہاتھ شرم و آبرو سے

یادِ اُن کی کسی گھڑی نہ گئی
نہ گئی، دل کی دل لگی نہ گئی

یادِ عارض جو آگئی سرِ شام
صبح تک گھر سے چاندنی نہ گئی

ہے عجب خط میں بخت کی تحریر
کہ کسی سے کبھی پڑھی نہ گئی

دشمنوں کو ملی وفا کی داد
میری فریاد تک سنی نہ گئی

یاد ہے بزمِ یار کا جانا
ہم گئے اور بے خودی نہ گئی

چشمِ ناسور تو رہی روتی
زخمِ کم بخت کی ہنسی نہ گئی

فکر ہے نالہائے موزوں کی
دردِ دل میں بھی شاعری نہ گئی

بارہا توبہ کی نصیرؔ مگر
نہ گئی خوئے مے کشی نہ گئی

ذرا کھول، زلفِ گرہ گیر اپنی
ذرا کچھ تو ڈھیلی ہو زنجیر اپنی

چلا جام، شیشہ اٹھا، دیکھتے ہی
یہ ہے بزمِ ساقی میں توقیر اپنی

بشر ہو کے مختار، مجبور اتنا
نہ تقدیر اپنی نہ تدبیر اپنی

نرالا ہے اندازِ ایفائے وعدہ
کہ وہ بھیج دیتے ہیں تصویر اپنی

انھیں دیکھوں مضطر یہ کیا عاشقی ہے
دعا کیوں بدل دے نہ تاثیر اپنی

نصیرؔ آستانِ نبیؐ کا گدا ہے
سمجھتا ہے جنت کو جاگیر اپنی

محبوبِ خدا کیا تری تصویر کھنچی ہے
دیوانہ ترا ہر عجمی و عربی ہے

مجھ کو درِ فردوس پہ رضواں نے جو روکا
رحمت نے کہا جانے دو شیدائی ہے

کیفیتِ مستی کو نہ پوچھو کہ مرا دل
سرشارِ مئے میکدۂ لم یزلی ہے

معراج کی شب کیوں نہ شبِ قدر ہو جس میں
عشاق کی بگڑی ہوئی تقدیر بنی ہے

پوچھیں جو نکیرین تو کہہ دوں مرا آقا
مکّی مدنی ہاشمی و مطلبی ہے

وہ دل ہے زیارت گہِ انوارِ الٰہی
جس دل میں ولائے شہِ مکّی مدنی ہے

دربار میں ہیں صورتِ پروانہ فدا ہوں
اے شمعِ رسل لو یہ مرے دل کو لگی ہے

نادیدہ گرفتارِ محبت ہے خدائی
جو آپ کا عاشق ہے اویس قرنی ہے

مطلوبِ خدا آپ، نصیر آپ کا طالب
اے خسروِ خوباں یہ بڑی بے ادبی ہے

کیا پہلے تھی راحت کیا کہئے کیا اب ہے اذیت کیا کہئے
آغازِ محبت کیا کہئے ۔ انجامِ محبت کیا کہئے

عاشق پہ ترے کیا کیا گزری اس دل کی بدولت کیا کہئے
تقصیرِ محبت کیا کہئے، تعزیرِ محبت کیا کہئے

ہونا جو نہ تھا وہ ہو کے رہا، ہنگامۂ الفت کیا کہئے
مذکورِ جفا جب ہو نہ سکا افسانۂ رقت کیا کہئے

جلنا ہی فقط مطلب ان کا، مرنا ہی فقط مقصد ان کا
کچھ شمع سے حاجت اور نہیں، پروانوں کی کلفت کیا کہیے

کیوں دَیر کو ناحق چھوڑ دیا، ہی جب وہ یہاں بھی جلوہ نما
اس کو جو حرم میں دیکھا ہی کیسی ہی ندامت کیا کہیے

جب پاس کہیں آجاتے ہیں، اک آگ لگا کر جاتے ہیں
ان حسن کے جلوے والوں کی شوخی و شرارت کیا کہیے

جو ضد سے ہماری دشمن کو مذبوح کرے۔ ہم کو نہ کرے
پھر ایسے ستمگر قاتل سے ارمانِ شہادت کیا کہیے

کوئی تو تجھے کچھ سمجھا ہی اور کوئی تجھے کچھ کہتا ہی
کیا کنہ ہی تیری اس کے لیے تخئیل کی وسعت کیا کہیے

سب کچھ تھا نصیر ان کے ہوتے جب وہ نہ رہے تو کچھ نہ رہا
فرقت کے مصائب سہتے ہیں جو دل کی ہی حالت کیا کہیے

مستیِ نازِ حسن سے ایک جہاں خراب ہی
دل میں تھے خوش کہ یار کا غیر ہی پر عتاب ہی
مجھ کو بقا عذاب ہی مجھ کو فنا عذاب ہی
آہ امید کی جھلک عشق میں اک حجاب ہی
آنکھ ہی کیوں جھکی ہوئی حشر میں کیا حجاب ہی

جلوہ ترے شباب کا چڑھتی ہوئی شراب ہی
آج ہوا یہ منکشف ہم سے بھی اجتناب ہی
ہستیِ نقشِ خاک ہوں مٹی مری خراب ہی
تشنۂ شوق کے لیے سیلِ وفا سراب ہی
شوق تھا جس کی دید کا آج وہ بے نقاب ہی

موت کے ماسوا نہیں حاصلِ لذّتِ سکوں
عشق میں لطفِ زندگی ہے تو بس اضطراب ہے

کاغذِ سادہ یار نے بھیج دیا جواب میں
میری یہ سرنوشت ہے صاف مجھے جواب ہے

میں نے جو کچھ کہا کہا۔ آپ اُسے نہ مانئے
چشمِ وفا شعار کیوں روبرہ عتاب ہے

ایک نفس میں ساتھ ساتھ یاس و اُمید دونوں ہیں
عالمِ بےخودی بھی ایک عالمِ اضطراب ہے

مرنے کے بعد کھل گیا رازِ وجود بھی نصیرؔ
وہ بھی جہانِ خواب تھا یہ بھی جہانِ خواب ہے

ہمارے جذبِ دل کی آپ کیا تاثیر دیکھیں گے
جو دیکھیں گے تو اپنے آپ کو تسخیر دیکھیں گے

بنے گا عشق آگے چل کے ٹیڑھی کھیر دیکھیں گے
جناب کوہکن انجامِ جوئے شیر دیکھیں گے

برہمن کیا بتوں کے ہاتھ کی تحریر دیکھیں گے
اگر دیکھیں گے اپنا ہی خطِ تقدیر دیکھیں گے

مرقع وصل کا۔ یا ہجر کی تصویر دیکھیں گے
محبت میں دکھائے گی جو کچھ تقدیر دیکھیں گے

بگڑتی ہے کہ بنتی ہے وہاں تقدیر دیکھیں گے
ذرا سنگِ حریمِ یار کی تاثیر دیکھیں گے

جوابِ نامہ سے معذور رکھا اے بےخودی مجھ کو
کہیں گے کیا جو میرے ہاتھ کی تحریر دیکھیں گے

مرے غم میں نظر آتی ہیں آنکھیں اشکبار اُن کی
جو کہتے تھے کہ تیری آہ کی تاثیر دیکھیں گے

وہ دن بھی ہوگا پیغامِ حیاتِ جاوداں ہم کو
تمہارے ہاتھ میں جس روز ہم شمشیر دیکھیں گے

کسے نظارۂ شمع و گل و آئینہ کی حسرت
جو دیکھیں گے تو ان کا رخِ پُرتنویر دیکھیں گے

کسے فرصت کہ دیکھے گا جمالِ حور و غلماں کو
قیامت میں سب اُن کا حسنِ عالمگیر دیکھیں گے

کریں گے ہم بھی شرکت اے نصیرؔ آج اُن کی محفل میں
ہماری ہوتی ہے یا غیر کی توقیر دیکھیں گے

یہ کہہ کے دلِ زار کو صبر آ ہی گیا ہے
تقدیر کا لکھا نہ مٹے گا نہ مٹا ہے

ناحق مری آوازِ انا الحق پہ خفا ہے
اس کا تو یہ مطلب ہے کہ تو میرے سوا ہے

دل اس لئے ہر حال میں راضی برضا ہے
سنتے ہیں وہاں ظلم کے پردے میں وفا ہے

ان کے کرم و جور کے ہیں سارے کرشمے
دوزخ ہے نہ جنت ہے جزا ہے نہ سزا ہے

وہ رند ہوں مٹ کر بھی نہ میخانے سے نکلا
مٹی سے مری ساغر و پیمانہ بنا ہے

طوفِ حرم و کعبہ سے بیگانہ ہوا ہوں
جس دن سے طوافِ درِ جانانہ کیا ہے

آغاز بھی الفت مرا انجام بھی الفت
اے حسن محبت مری ہستی کی بنا ہے

برباد پھرے خاکِ اسیرانِ محبت
کیا حسن کی دنیا میں یہی قدرِ وفا ہے

تم دل میں رہو چاہے نگاہوں میں سماؤ
جو ڈھونڈھ رہا تھا وہ تمھیں ڈھونڈھ رہا ہے

تاویلِ گنہ حشر میں کیا پیش کروں میں
اے شانِ کرم عذرِ خطا اور خطا ہے

دیوانہ نصیر آج تری راہ گزر میں
جھک جھک کے ترا نقشِ قدم چوم رہا ہے

اٹھنا نہیں مر کر بھی مجھے راہ گزر سے
آخر وہ کسی روز تو نکلیں گے ادھر سے

سرمے کی طرح آنکھ میں غیروں نے جگہ کی
آنسو کی طرح گر گئے ہم ان کی نظر سے

کہتا ہے کہ کعبہ بھی اگر ہو تو نہ آؤں
اللہ۔ یہ نفرت تجھے اے بت مرے گھر سے

مانگے نہ قیامت کی دعا اور کرے کیا
آخر کوئی کب تک ترے دیدار کو ترسے

رہنے دیں پڑا اس کو کہ پامال کریں آپ
اب سر نہ اٹھائے گا نصیر آپ کے در سے

تیغ نے خوب جاں فشانی کی
داد دی میری سخت جانی کی

دیکھنے والے دیکھ ہی لیں گے
تم بڑھاؤ نہ لن ترانی کی

وہ کہیں ہیں نقابِ رخ ہے کہیں
کیوں نہ ہو نیند ہی جوانی کی

دل لیا اور لے کے پھینک دیا
واہ کیا خوب قدردانی کی

کل تک آنے سے تھا انھیں انکار
آج کیا ہے جو مہربانی کی

آئینہ دیکھتے نہیں وہ نصیر
انتہا ہے یہ بدگمانی کی

مرے پاس سے مسکرا کر چلے
چلے بھی تو بجلی گرا کر چلے

اسی واسطے میں نے جوڑے تھے ہاتھ
مجھے تم انگوٹھا دکھا کر چلے

نہ قابو میں دل ہے نہ آپے میں ہم
بتاتے تو جاؤ یہ کیا کر چلے

کہی میں نے اک بات تم کو اگر
تو لاکھوں مجھے تم سنا کر چلے

نہ دیکھا کہ پامال ہوتے ہیں دل
نہ اتنا بشر سر اٹھا کر چلے

جو بیٹھے تو محشر بپا کر دیا
جو اُٹھے تو فتنہ اُٹھا کر چلے

نشاں ایسے رہرو کا کس کو ملے
جو نقشِ قدم کو مٹا کر چلے

بہانہ فقط دفن کرنے کا تھا
ہمیں خاک میں تم ملا کر چلے

یہ شوخی شرارت تو دیکھے کوئی
وہ پاؤں میں مہندی لگا کر چلے

نصیر اب وہ مرقد پہ آئیں تو آئیں
ہم اپنا تو وعدہ وفا کر چلے

بیانِ شوق کی تفسیر ہو نہیں سکتی
وہ داستاں ہی جو تحریر ہو نہیں ہو سکتی

یہ حیلہ صرف نہ آنے کا ہی وگرنہ حنا
تمھارے پاؤں کی زنجیر ہو نہیں ہو سکتی

ہوئے جو پیر تو کس بل کہاں جوانی کا
کماں ہزار کھنچے تیر ہو نہیں ہو سکتی

عذابِ حشر سے مجھ کو ڈرانہ اے واعظ
گناہِ عشق میں تعزیر ہو نہیں ہو سکتی

قلم ہزار کرے موشگافیاں لیکن
تمھاری زلف کی تصویر ہو نہیں ہو سکتی

بغیر کسب کمال و ہنر زمانے میں
بشر کی عزّت و توقیر ہو نہیں ہو سکتی

ملوں تو مر کے ملوں، موت کے سوا کوئی
وصالِ یار کی تدبیر ہو نہیں ہو سکتی

نہ کھنچ سکے گی تصوّر سے کبھی شبیہ نصیر
وہ لامثال ہی تصویر ہو نہیں ہو سکتی

ہوں تری راہ میں بے خوف و خطرِ دنیا سے
ہی جدا گانہ مری راہ گزر دنیا سے

یا انوکھی ہے ستمگر کی نظر دنیا سے
یا نرالے ہیں مرے قلب و جگر دنیا سے

کیا یہی چاہتی ہی آپ کی شمشیرِ جفا
کہ سلامت کوئی لے جائے نہ سر دنیا سے

بات کیا خوب کہی پیرِ خرابات نے آج
رہ کے دنیا میں ہو بیگانہ بشر دنیا سے

نہ تو کچھ لے ہی کے آیا ہی بشر دنیا میں
نہ تو کچھ لے ہی کے جائے گا بشر دنیا سے

خاک میں دفن ہوئے جاتے ہیں سب گوہرِ اشک
کھوئے جاتے ہیں مرے نورِ نظر دنیا سے

ہو گیا آج سے بس خاتمۂ ہجر و وصال
کر گیا آپ کا بیمار سفر دنیا سے

کر دیا عشق نے بیگانۂ کفر و ایماں
ہم ادھر دین سے غافل ہیں اُدھر دنیا سے

شرط ہی جلوۂ جاناں کے نظارے کے لیے
کشتۂ خنجرِ تسلیم و رضا ہونا تھا

پھیر لے طالبِ دیدار نظر دنیا سے
کیوں شکایت ہے مجھے آٹھ پہر دنیا سے

نہ وہ ساقی نہ وہ ساغر نہ وہ پیمانہ نصیرؔ
اٹھ گئی رونقِ میخانہ مگر دنیا سے

خیالِ زلف سے راحت دلِ ناکام لیتا ہے
یہ وہ قیدی ہے جو آرام زیرِ دام لیتا ہے

نہیں قاصد تو دل بادِ صبا سے کام لیتا ہے
اسی صورت سے لطفِ نامہ و پیغام لیتا ہے

وہ دیوانہ ہوں جب صحرا سے اٹھنا چاہتا ہوں میں
تو ہر خارِ بیاباں بڑھ کے دامن تھام لیتا ہے

تمھارے خوابِ راحت پر گراں تھا شورِ غم جس کا
لحد میں اب وہ بیمارِ وفا آرام لیتا ہے

کسی کی بیکلی بے اختیاری ہائے کیا کہئے
کہ خود فریاد کر کے خود کلیجہ تھام لیتا ہے

شراب اس کی ہے ساغر اس کا ہے پیمانہ اس کا ہے
تمھارے ہاتھ سے جو میکدے میں جام لیتا ہے

شہیدِ عشق کی شانِ وفا دیکھو تو محشر میں
کہ اپنے خون کا خود اپنے سر الزام لیتا ہے

خجالت ہو رہی ہے گرمیِ خورشیدِ محشر کو
یہ کس کے ظلِّ دامن میں نصیرؔ آرام لیتا ہے

ملتی اگر نہ لذّتِ دردِ جگر مجھے
آتا نہ زندگی کا مزا عمر بھر مجھے

کرنی ہے شام ہی سے تلاشِ سحر مجھے
جا اے خیالِ زلف پریشاں نہ کر مجھے

روکے گی ہر قدم پہ تری رہگزر مجھے
ایک ایک نقشِ پا پہ جھکانا ہے سر مجھے

اب مسکرا رہا ہے کوئی دیکھ کر مجھے
کیسا دیا گیا ہے فریبِ نظر مجھے

نکلے گی دل سے آہ تو لگ جائے گی اک آگ
تو جانتا نہیں فلکِ فتنہ گر مجھے

آیا ہوں کوئے یار میں گھر بار چھوڑ کر
لے جائے گا یہاں سے مقدر کدھر مجھے

کیا پُرسکوں ہے میری اسیری کی زندگی
اب فکرِ آشیاں نہ غمِ بال و پر مجھے

پھیرے تمام دن ہیں تو چکّر تمام رات
سب جانتے ہیں ان کا نگہبانِ در مجھے

تنظیم کیا دو رنگیِ عالم میں کر سکوں
قابو نہ عیش پر ہے نہ غم سے مفر مجھے

زیر قدم ہے آپ کے کس ناتواں کی خاک
آواز آرہی ہے "ذرا دیکھ کر مجھے"

دن موسمِ بہار کے۔ ساقی ہے سامنے
دنیا کا اب خیال نہ عقبیٰ کا ڈر مجھے

اتنی تو شانِ بندہ نوازی دکھائیے
رکھنا پڑے نہ غیر کی چوکھٹ پہ سر مجھے

یا رات دن مسرتِ وصلِ حبیب تھی
یا اب غمِ فراق ہے شام و سحر مجھے

دونوں طرف یہ بے خودی حسن و عشق ہے
میری خبر انھیں ہے نہ ان کی خبر مجھے

مرجع ہے وہ تمام امیدوں کا اے نصیرؔ
لے جا رہی ہے ایک تمنّا جدھر مجھے

(بقیہ قافیہ)

بے حد او بے حساب پی لی
جب مفت ملی شراب پی لی

تو اپنی نگاہِ مست سے پوچھ
ہم نے کیوں کر شراب پی لی

کرتا ہے جو بہکی بہکی باتیں
واعظ نے مگر شراب پی لی

زاہد نے پڑھی نماز گھر میں
گھر کے باہر شراب پی لی

اب بھید کھلا نصیرؔ نے بھی
ان سے چھپ کر شراب پی لی

ہم نے تو دل دیا برائی کی
اور تم نے جو بے وفائی کی

ہم بتاتے تمہیں جو کچھ ہوتا
آہ نالوں نے نارسائی کی

کیا ہوا رکھ دیا جو پاؤں پہ سر
ہم نے بھی قسمت آزمائی کی

منہ لگایا کبھی نہ زاہد کو
دختر رز نے پارسائی کی

عشق کوچہ وہ ہے کہ جس میں نصیرؔ
بادشاہوں نے بھی گدائی کی

بغیر ان کے نہیں دو گھڑی قرار مجھے
بنا دیا تری آنکھوں نے بادہ خوار مجھے

سکوں نصیب نہ ہوگا کسی طرح دل کو
تسلیاں کوئی دیتا رہے ہزار مجھے

مجھے نہ دیکھ مری وسعت نگاہ کو دیکھ
خزاں میں بھی نظر آئی تری بہار مجھے

خطا پہ فخر ہے عصیاں پہ ناز ہے مجھ کو
سمجھ رہے ہیں وہ اپنا گناہ گار مجھے

سنا ہے آج کوئی غائبانہ کہتا تھا
نصیرؔ سا نہ ملے گا وفا شعار مجھے

بھلا غم خانۂ الفت کہیں برباد ہوتا ہے
یہ گھر ویران ہو کر اور بھی آباد ہوتا ہے

یہی کہہ کہہ کے عاشق آپ سے برباد ہوتا ہے
سنا ہے میری پامالی سے کوئی شاد ہوتا ہے

عدو کو آپ نے محفل میں آنے کی اجازت دی
ہمارے حق میں آخر کار کیا ارشاد ہوتا ہے

الٰہی ایک میرا آشیاں اور اس قدر دشمن
کبھی گلچیں کبھی صرصر کبھی صیاد ہوتا ہے

کمالِ عاشقی ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا
ہزاروں میں کوئی مجنوں کوئی فرہاد ہوتا ہے

قسم ہے تم جو الفت کی نگاہیں پھیر لیتے ہو
تو پھر دنیا کا ہر ذرہ ستم ایجاد ہوتا ہے

نکلتا ہے جو پچھلی رات کو دل سے جدائی میں
وہی پردرد نالہ حاصلِ فریاد ہوتا ہے

ترے عاشق کی مجبوری بھی ہے کیا رحم کے قابل
کہ تیرے پاسباں سے طالبِ امداد ہوتا ہے

بناؤں آہ کس شاخِ چمن پر آشیاں اپنا
جہاں جاتا ہوں گلشن میں وہاں صیاد ہوتا ہے

مری ویرانیِ دل کا فسانہ پوچھتے کیا ہو
نہ تم آباد کرتے ہو نہ وہ آباد ہوتا ہے

مسرت کے ترانے بھی ہیں ماتم کی صدائیں بھی
یہی رنگِ طلسمِ عالمِ ایجاد ہوتا ہے

بنا کر وہ اسیرِ دامِ گیسو مجھ کو کہتے ہیں
نہ گھبرا اب غمِ کونین سے آزاد ہوتا ہے

خدا جانے کشش کیا ہے کہ بعدِ ترکِ الفت بھی
زمینِ کوئے جاناں دیکھ کر جی شاد ہوتا ہے

نصیر آتی ہے فصلِ گل بھی تاثیرِ خزاں لے کر
کہ جب آتی ہے دیوانوں کا گھر برباد ہوتا ہے

الٰہی عاشقی میں دشمنِ جاں دل نہ بن جائے
یہ قاتل کی محبت میں کہیں قاتل نہ بن جائے

نہ چھیڑ اے یادِ جاناں تو مجھے خاموش رہنے دے
سکونِ عاشقی ہنگامۂ محفل نہ بن جائے

خیالِ یار آ - آباد کر دے خانۂ دل کو
یہ تیرا گھر غم و اندوہ کی منزل نہ بن جائے

ہمیشہ آرزوؤں حسرتوں کا خون ہوتا ہے
مرا دل بھی جوابِ کوچۂ قاتل نہ بن جائے

نہیں ہے سرخیِ خونِ شہیداں لائقِ عزت
یہ جب تک غازۂ رنگِ رخِ قاتل نہ بن جائے

فغاں بے سود ہے، شیون عبث ہے، آہ لاحاصل
اگر فریاد آوازِ شکستِ دل نہ بن جائے

لٹا دیتا ہے ساری انجمن کو میرا افسانہ
کہانی کیا جو وجہ گرمیِ محفل نہ بن جائے

یہ جوشِ اضطرابِ عشق - یہ آشفتہ سامانی
ترا بیتابِ غم سر سے قدم تک دل نہ بن جائے

توقع غیر سے یا اُن سے اُمیدِ وفا کیسی
کہ جب تک خود ہمارا دل ہمارا دل نہ بن جائے

نصیرؔ اندازِ تسلیم و رضا ہے شیوۂ عاشق
وہ غم کیسا جو سامانِ نشاطِ دل نہ بن جائے

نہ دو دن کی عبادت پر بہت مغرور ہو جائے
کہیں ایسا نہ ہو زاہد خدا سے دور ہو جائے

جب ان کے حسن کی شہرت قریب و دور ہو جائے
مرا افسانۂ الفت نہ کیوں مشہور ہو جائے

ذرا بھی مہرباں گر وہ بتِ مغرور ہو جائے
خدایا زندگی بھر کی شکایت دور ہو جائے

کہیں دیکھے تری صورت تو پھر کیا حال ہو اُس کا
کہ جس کا دل تری آواز سے مسحور ہو جائے

جنابِ شیخ کچھ پوچھو نہ فیضِ صحبتِ ساقی
جو میخانے میں آ جائے سراپا نور ہو جائے

رہے شاخِ چمن پر بار لاکھوں آشیانوں کا
ہم اُڑ کر بھی نہ پہنچیں ہم سے اتنی دور ہو جائے

پلا دے آج اے ساقی شرابِ بیخودی ایسی
کہ پھر دنیا میں تازہ قصۂ منصور ہو جائے

ذرا وہ بے نقاب آئیں تو میری قبر کے آگے
چراغِ کشتۂ تربت بھی شمعِ طور ہو جائے

نہ جانے اے نصیرؔ اپنے دلِ محزوں پہ کیا گزری
کہ خود جی چاہتا ہے ان کے در سے دور ہو جائے

تیری ہی یاد پچھلے پہر چاہیے مجھے
اک نالہ بے نیازِ اثر چاہیے مجھے

وہ نغمۂ الست وہ قالوا بلیٰ کا شور
اے ذوق عشق بار دگر چاہیئے مجھے

تسلیم و صبر و شانِ رضا کے خلاف ہے
میں کیوں کہوں دعا میں اثر چاہیئے مجھے

اس دل کی جستجو ہے جو تجھ پر نثار ہو
اُٹھے نہ تیرے در سے وہ سر چاہیئے مجھے

پیشِ نگاہِ عارض و گیسوئے دوست ہو
وہ شام چاہیئے وہ سحر چاہیئے مجھے

اب کیا رہا جو ناوکِ جاناں کو نذر دوں
اک اور دل اک اور جگر چاہیئے مجھے

جو لائق نظارۂ محبوب ہو نصیر
وہ آنکھ چاہیئے وہ نظر چاہیئے مجھے

تمام درج ہیں عنواں مرے فسانے کے
الٹ کے دیکھ لے دنیا ورق زمانے کے

مرے نصیب میں اب فصلِ گل کی سیر کہاں
مری بہار گئی ساتھ آشیانے کے

خدا ہماری قناعت کی آبرو رکھے
بچا لیا ہمیں احسان سے زمانے کے

امید و بیم کا عالم چمن میں کہتا ہے
کہ اب قفس کے رہیں گے نہ آشیانے کے

نہ ہوں گے تارکِ مے حضرتِ نصیر کبھی
یہ ہیں قدیم دعا گو شراب خانے کے

بلا سے گر نہ رہے جانِ عاشقاں باقی
رہے جہاں میں وہ غارت گر جہاں باقی

رہی ہے دل میں فقط یادِ رفتگاں باقی
نہ کارواں ہے نہ اب گردِ کارواں باقی

جگر کے زخم بھرے ہیں دل کے داغ مٹے
وہ آئے بھی تو کب آئے مری عیادت کو

اسی طرح ہیں تمھاری نشانیاں باقی
لبوں پہ بھی نہ رہی جانِ ناتواں باقی

نصیرؔ اُٹھ گئی رسم وفا زمانے سے
رہا نہ کوئی محبت کا قدرداں باقی

متفرقات

(اُردو)

مخمس بر غزل خود

آکر اجل ہر ایک کو رخصت ہی کر گئی
مدفن میں ساتھ وحشتِ شوریدہ سر گئی
دل - اضطراب - امید - تمنّا - نظر گئی
ہم مر گئے تو وصل کی حسرت بھی مر گئی
لو اب غمِ فراق کی مدت گزر گئی

گو حسن کے نشے میں ہیں مستِ غرور وہ
رہتے بھی کچھ یہاں سے نہیں ایسے دور وہ
لیکن خدا کے فضل سے ہیں ذی شعور وہ
ہم بیکسوں کی موت میں آتے ضرور وہ
ان کے تو کان تک بھی نہیں یہ خبر گئی

تو جرم سے بری ہے نہیں ہے خطا تری
یہ بات بھی نئی ہے بتِ دلربا تری
ہاں سچ تو ہے اجل سے لگاوٹ ہو کیا تری
کہتی ہے اپنے کشتوں سے کافر ادا تری
دنیا میں کیوں قضا مجھے بدنام کر گئی

گو شام ہی سے طور تھا کچھ نبض کا برا
گزری جب آدھی رات تو نقشہ بدل گیا
تا صبح پھر بھی زیست کا کچھ کچھ خیال تھا
اب اور حال غیر ہے بیمارِ عشق کا
بس جلد آئیے کہ امیدِ سحر گئی

وہ غم بھی کوئی غم ہے جو راحت فزا نہیں — وہ زخم کیا کہ درد کا جس میں مزا نہیں
ہے جذب بے اثر جو کشش آشنا نہیں — وہ بے خودیِ عشق کہاں وفا نہیں
جس بے خودی سے لذّتِ دردِ جگر گئی

خود درد ہی نظیر ہے اس دردمند کا — ہر ایک نالہ تیر ہے اس دردمند کا
کب کوئی دستگیر ہے اس دردمند کا — کیا ذکر اے نصیر ہے اس دردمند کا
بے چارگی میں عمر ہو جس کی گزر گئی

خمسہ بر غزل خود

مجھ سے دانا کو تری الفت نے ناداں کر دیا — میں نے اپنا جان و دل سب تجھ پہ قرباں کر دیا
تیری خاطر جو نہ کرنا تھا وہ اے جاں کر دیا — دُور دل سے امتیازِ کفر و ایماں کر دیا
دل تھا کعبہ اس میں اک کافر کو مہماں کر دیا

بن گیا قلبِ حزیں آئینہ حالِ یار کا — پھر مزا لینے لگیں آنکھیں جمالِ یار کا
پھر ہوا فرقت میں یوں ساماں وصالِ یار کا — پھر ہوا ہے دل مرا خوگر خیالِ یار کا
میں نے اس اُجڑے مکاں کو پھر گلستاں کر دیا

سوئے صحرا پھر لیے جاتی ہے وحشت بار بار — پھر چھٹا ہاتوں سے اپنے دامنِ صبر و قرار
اپنا پیراہن کیا پھر آج ہم نے تار تار — پھر جنوں نے سر اُٹھایا آئی پھر فصلِ بہار
چاک پھر ہم نے گریباں تا بداماں کر دیا

خود سُنا افسانۂ دل خود خفا ہونے لگے — میں نہ کہتا تھا مجھے ہوتے ہیں دل کے ولولے

رنگ اب دل کے مچلنے کا مری جاں دیکھیے — بے حقیقت چند قطرے خون کے دل میں جو تھے

آج انھیں قطروں نے پیدا ایک طوفاں کر دیا

عشق کے بازار میں سود و زیاں پر کیا نظر — ہو خیال اس کا تو ایسا مول لے کیوں دردِ سر

جب خریدارِ محبت ہیں تو کیا نفع و ضرر — دے دیا دل ہم نے ان کو اک نگاہِ ناز پر

ایسے سودائے گراں کو کتنا ارزاں کر دیا

تھا ترا دیدار جینے کا سہارا اے صنم — جی نہ سکتے تھے کسی صورت تری فرقت میں ہم

ہائے اے ظالم کیا تو نے یہ ہم پر کیا ستم — منھ نہ دیکھیں گے عدو کا تو نے کھائی تھی قسم

کیا قیامت ہے اسی کو تو نے مہماں کر دیا

بے ترے اس خستہ جاں کو چین اے جاں کب رہا — میں تڑپتا ہی رہا تو دور مجھ سے جب رہا

ہو کے ممنونِ اسیری گھر سے کیا مطلب رہا — تیرے قیدی کو کہاں شوق رہائی اب رہا

مجھ کو کیا تو نے اگر وا بابِ زنداں کر دیا

وہ کہ دنیا ہو رہی ہے جس کی زلفوں میں اسیر — لے رہی ہے داد سب سے جس کا حسنِ بے نظیر

آہ اس کا دل کریں زخمی تری آہوں کے تیر — داستانِ دردِ دل تو نے عبث چھیڑی نصیر

حسن کو بھی عشق نے تیرے پشیماں کر دیا

تصویرِ حُسن

لبوں پر تبسم تغافل نظر میں — جبیں پر شکن تیغِ براں کمر میں

ہوا صید جس پر نظر پڑ رہی ہے
پئے قتلِ خوں فوجِ مژگاں کھڑی ہے

حیا شوخیوں سے ہے گھونگھٹ نکالے
ادھر تیغِ ابرو ہے برچھی سنبھالے

یہ چشمِ فسوں سازِ صیادِ عالم
روا ہے اسی پر فقط صادِ عالم

تکلّم میں سازِ ترنّم نہاں ہے
خموشی میں سینِ قیامت رواں ہے

سنیں گفتگو کچھ جو غنچہ دہن کی
ابھی پھول ہو جائیں کلیاں چمن کی

جو دیکھے فلک کو ذرا مسکرا کر
تصدّق کرے چرخ تارے گرا کر

جو عالم میں کچھ تابِ نظّارہ لائے
وہی شعلۂ طور سے لو لگائے

خبر عالمِ حسن کی کچھ نہ لائے
نظر دیدۂ شوق تک پھر نہ آئے

مصوّر یہ تصویرِ حسن آفریں ہے
یہ پردہ بھی در پردہ پردہ نشیں ہے

رباعی

بھایا نہ کبھی ہم کو جہانِ ہستی
آیا نہ ہمیں خوابِ خیالِ ہستی
ہستی کا نصیر ہم یہ سمجھے انجام
اعمالِ بشر کے ہیں مآلِ ہستی

ایضاً

معمورۂ ماتم ہے رباطِ ہستی
اندوہ سراسر ہے نشاطِ ہستی
پیوندِ زمیں ہو کے بھی سمجھے نہ نصیر
کیا سمجھو گے خاک تم بساطِ ہستی

خمسہ بر غزل اسد ملتانی

ناسپاسیِ عطائے ربِّ عالم کیوں کریں
کیوں کریں تحقیرِ اعزازِ معظم کیوں کریں
روح افزا تہنیت سے دل کو برہم کیوں کریں
اہلِ دل فرماتے ہیں شبیرؑ کا غم کیوں کریں
زندۂ جاوید ہو جانے کا ماتم کیوں کریں

تین دن کی پیاس میں بھی تھا عجب اندازِ جنگ
زخم کھاتے تھے تو بڑھتی تھی شہادت کی اُمنگ
دیکھ کر شہ کی شجاعت اشقیا ہوتے تھے دنگ
دے کے اس مردانہ قربانی کو مظلومی کا رنگ
ہم شہیدِ کربلاؑ کی شان کو کم کیوں کریں

جسم کو چھلنی بنایا ظالموں کے تیر نے
تیغ پھیری حلق پر جب شمرِ بے توقیر نے
لب نہ کھولا اس رضا و علم کی تصویر نے
سر کٹایا کس سکون و صبر سے شبیرؑ نے
رد کے اس جمعیتِ خاطر کو برہم کیوں کریں

بعد عاشورا نہ سمجھیں سینہ کوبی ہے نہ بین
ہو دلا تو ہر نفس لازم ہے دل ہو محوِ شین
پھر وہی آرائشیں ہیں اور بزمِ زیب و زین
زندگی کا جزو ہونا چاہیئے یادِ حسینؑ
ہم اسے محدودِ ایامِ محرم کیوں کریں

جب جہادِ نفس کا مقصد ہے خالق کی خوشی
جب ملی ہے سرفروشوں کو حیاتِ سرمدی
جب خدا کی راہ میں مرنا ہے عینِ زندگی
جب ظفرمندی شہیدوں ہی کی حصے میں رہی
دل کو پُرغم کیوں کریں آنکھوں کو پُرنم کیوں کریں

فخر سے آلِ نبی کے کارناموں کو سنائے
دائمی نصرت کو مظلومی کا قصّہ کیوں بنائے

نا روا ہے سینہ کوبی، بے محل ہے ہائے وائے
ہم مناقب ہی سنائیں گے مصیبت کے بجائے

داستانِ فتح کو افسانۂ غم کیوں کریں

دستِ ماتم توڑ دیتے ہیں مسرت کی کمر
ہوتی ہے ممنونِ دامانِ تصنّع چشمِ تر

چاہیے جلتا رہے سوزِ تولّا سے جگر
آنسوؤں سے اوس پڑ جاتی ہے دل کے جوش پر

زخمِ درد انگیز کو مرہونِ مرہم کیوں کریں

کم نہیں افسانہ ہائے حرب و ضرب و کرّ و فر
روشنی پڑتی ہے جن سے عزم و استقلال پر

آج بھی ہے کربلا احرار کے پیشِ نظر
سرفروشی اور جاں بازی کا میداں چھوڑ کر

گریہ و زاری کے گوشے کی طرف رم کیوں کریں

جان دے کر بھی رہا زندہ نبی کا نورِ عین
آئینہ ہے خلق پر صبرِ امام المشرقین

کب مصائب پر کیا سبطِ نبی نے شور و شین
زندگی کا درس دیتا ہے ہمیں خونِ حسینؓ

موت کا سامان رو رو کر فراہم کیوں کریں

پیکرِ ایثار و ہمت جن کو بننا چاہیے
صاحب زور و شجاعت جن کو بننا چاہیے

آیۂ صبر و قناعت جن کو بننا چاہیے
گلبنِ باغِ سیادت جن کو بننا چاہیے

وہ جوانانِ چمن تقلیدِ شبنم کیوں کریں

کاروانِ قوم و ملت کا ہے لازم انصرام
آ گیا دن ختم ہونے کے قریب آئی ہے شام

وقت تھوڑا رہ گیا لیکن بہت باقی ہے کام
آؤ اس سے دورِ گیتی کا بدل ڈالیں نظام

روحِ ایثار و عمل کو نذرِ ماتم کیوں کریں

زاری و فریاد بے جا کی ہے آخر کوئی حد
اے نصیر اب آپ کرنی چاہئے اپنی مدد

وہ بھی کیا انسان جو سمجھے نہ اپنا نیک و بد
اُسوۂ شبیرؑ اپنے سامنے ہے اے اسد

پیشِ باطل گردنِ تسلیم کو خم کیوں کریں

قطعاتِ تاریخ

قطعہ بہ تہنیت ولادت دختر سعید اختر جناب مولوی غضنفر علی صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر

کھل کے برسا چمن میں ابرِ بہار
لا رہے ہیں درخت برگ و بار

کیا ہی چہکے ہیں شاہرانِ چمن
دیدنی ہے بہار کا جوبن

سن کے نغموں کو شادماں دل ہیں
زمزمہ سنج یوں عنادل ہیں

کہ غضنفر علی مبارک ہو
بیٹی پیدا ہوئی مبارک ہو

حق نے بخشی یہ نعمتِ دیگر
پہلے خورشید اب کے سال قمر

دونوں آغوش ہیں تجلّی گاہ
ایک میں مہر دوسرے میں ماہ

از عنایاتِ لطفِ ربّانی
پائیں دونوں حیاتِ طولانی

ہاں بہ تقریبِ دخترِ نو زاد
مجھ کو لازم ہے دوں مبارکباد

اس کی میلاد کی خوشی کیجے
اور ادا سنّتِ نبیؐ کیجے

اس کے حق میں مری دعا ہے نصیر
زندہ رکھے اسے خدائے قدیر

اب ولادت کا سال پہچانو — نام ہے دختر اماں بانو

۱۳۵۲

تاریخ ادائگی فریضۂ حج عالیجناب حاجی مسعود الزماں صاحب بیرسٹر ایٹ لا رئیس باندہ

شیخ مسعود الزماں فی الاختصار — بارایٹ لا ہم امیر ابن امیر

فخر قوم و صاحبِ خلقِ حسن — قائدینِ ملک و ملت را نصیر

شد مشرف از زیاراتِ حرم — سال حج شد فضل و احسانِ قدیر

۱۳۵۰ھ

قطعۂ تاریخ بنائے مسجد

خوب عبادت خانہ ہے یہ — بہر مسلماں سبحان اللہ

ہاتفِ غیبی دیکھ کے بولا — مسجدِ ذی شان سبحان اللہ

۱۳۵۰ھ

تاریخ رحلت زوجۂ محترمہ علی احمد صاحب

اشکباری سے علی احمد کو اب فرصت نہیں — رات دن پیشِ نظر صورت علی باندی کی ہے

لوحِ مرقد پر یہ تاریخ لکھ دو اے نصیر — سایۂ طوبیٰ ہے یا تربت علی باندی کی ہے

۱۳۵۳ھ

قطعۂ تاریخ بہ تہنیت خطاب خان بہادری بنام گرامی جناب مولوی سید ضیاء الحسن صاحب ایڈیشنل جج بہادر کانپور

چو مولوی ضیاء الحسن فلک رفعت — کہ ہست بر سر کرسیِ جج بعز و نمود

خطابِ خان بہادر کہ دون رتبۂ اوست — قبول از رہِ تفویض حاکماں فرمود

نصیر مژدۂ راحت فزا بمن چو رسید — بجانِ خویش کہ غایت شدہ دلم خوشنود

چو گشت از پئے تاریخ فکر دامن گیر — سروشِ غیب مرا داد مژدۂ محمود

برائے سال بگو از سر طرب علوی — خطابِ خان بہادر مبارک و مسعود

۳۳ — ۶ — ۱۹

کلام فارسی

(الف)

سزد مردانہ طے کردن طریقِ عشق کامل را
برنگِ سبحہ باید ہر قدم انداختن دل را

چہ شوخیہا و گستاخی ست یارب خنجرِ بسمل را
کہ بیباکانہ رنگیں می کند دامانِ قاتل را

زعصیاں منفعل گشتم خیالش جلوہ فرما شد
سوادِ معصیتہا طوطیا شد دیدۂ دل را

بود ہر لحظہ بے اندیشہ در سیرِ چمن نرگس
بہ نیرنگِ فلک عبرت نباشد چشمِ غافل را

زحسنِ التفاتِ دوست ہر دم جام می نوشند
نمی پرسند یاراں علویِ بیگانہ محفل را

(ب)

ہمکنارست بمن آں مہِ زیبا امشب
آفتابست مرا ساغرِ صہبا امشب

دارم از بسکہ خیالِ قدِ رعنا امشب
دودِ آہم گزرد از سرِ طوبیٰ امشب

وعدۂ وصل بفردائے قیامت کردی
باشد اے کاش ہمانا شبِ فردا امشب

تا دمِ حشر رخِ صبح نخواہم دیدن
ہست پیشِ نظرم زلفِ چلیپا امشب

از خیالِ رخِ آں شمعِ شبستاں علوی
رشکِ فانوس شد آغوشِ تمنا امشب

(ت)

جلوه پردازِ حسن قاتل ماست — کشتهٔ تیغ نازِ او دلِ ماست
ما ز سر می‌کنیم طے رهِ عشق — زیرِ پا همچو شمع منزلِ ماست
فصلِ گل در چمن جنون خیز ست — موجِ بادِ صبا سلاسلِ ماست
احتیاجِ چراغ امشب نیست — یار در خانه شمعِ محفل ماست
دشت گردی چرا کنم اے قیس — لیلیِ ما به محملِ دل ماست
از ازل ما محیطِ موّاجیم — دور تر اے نصیر ساحلِ ماست

بعد من هم ز غمِ عشق نشانے پیداست — بسرِ خاکِ شهیدِ تو فغانے پیداست
کے امان میدهدم تُرکِ سیاه چشمت — بهرِ صیدِ دلِ من تیر و کمانے پیداست
همچو شمعِ سحری خسته و رنجور ترا — هر دم از کاهشِ دل تازه زیانے پیداست
راحتے نیست دمے در چمنِ دهر بکس — زیرِ پهلوے گل از خار کمانے پیداست
سوخت در سینه مگر این دلِ شیدا علی — که بلب از دمِ گرمِ تو فغانے پیداست

تا ز آغوشِ منِ شیفته جانان برخاست — دل ز پهلو بدر افتاد ز تن جان برخاست
بر منِ غمزده هجرِ تو قیامت افتاد — روزِ فرقت چه سر آمد شبِ هجران برخاست
او بمن داد غمِ خویش منش جان دادم — حرفِ احسان چه میانِ من و جانان برخاست
هر که در انجمنت آمده خندان آمد — هر که برخاسته از بزمِ تو گریان برخاست
ما چه ترسیم ز دوزخ که جهنّم واعظ — دودِ آهے ست که از سینهٔ سوزان برخاست
قدِ موزونِ تو هرگاه خرامان بگذشت — شورِ محشر ز لبِ گورِ شهیدان برخاست
ما بدان سوے گذشتیم که نتوان برگشت — وان دران کوے نشستیم که نتوان برخاست
ما چه گوئیم که چون رفت ز کوے تو نصیر — قصه کوتاه۔ بصد حسرت و ارمان برخاست

(د)

ہر نفس تازہ سپاہے بزباں می آید
کہ نے تازہ نوازندۂ جاں می آید

مگر از شورشِ پروانہ دلے پُر درد ست
شمع در بزمِ طرب اشک فشاں می آید

اے اجل مہلتِ نظّارہ کہ خدمتگاراں
می سرایند کہ می آید و ہاں می آید

آہ خوں گشتہ دل از نالۂ بلبل شاید
فصلِ گل می رود و عہدِ خزاں می آید

تا سحر از دمِ افطار مئے ناب کشم
گر زپئے منع صبوحی رمضاں می آید

غافل از خویش بمرگِ پدراں می نالند
خنداں بر گریۂ ابنائے زماں می آید

باشد آزاد ز ہفتاد و دو ملت علوی
ہر کہ در سلسلۂ پیرِ مغاں می آید

ز اندازِ خرامش مستیٔ پیمانہ می خیزد
براہے ہر قدم می خیزدش مستانہ می خیزد

نگہدارد خدا از چشمِ بد آں حور طلعت را
نشیند گر پری در سایہ اش دیوانہ می خیزد

بنازم ترک سقّاکے کہ می خیزد بقصدِ دل
بکف شمشیر و دامن بر کمر مردانہ می خیزد

اگر سویش بہ بیند دوست دشمن می شود آدم
نشیند گر دمے با آشنا بیگانہ می خیزد

باندازے کہ بد مستے بروں آید ز میخانہ
نگہ از گوشۂ آں نرگسِ مستانہ می خیزد

بیا علوی تماشا کن خراباتِ محبت را
کہ شمع آنجا بطوفِ مرقدِ پروانہ می خیزد

عجب مارا ز بزم ساقیِ میخانه می آید
که هرکس می رود از خویشتن بیگانه می آید

خداوندا چه حالت رفت در بزم قدح نوشاں
که واعظ رفته هشیارے وے مستانه می آید

به بیں از اضطرابِ شوق حالِ دل دگرگون ست
که ناله بر لبِ فریادِ بے تابانه می آید

نیاید یار اگر در بزمِ عاشق را چه کار آنجا
به محفل گر نباشد شمع کے پروانه می آید

مسلماں شد کدام از دیدنِ روئے بتِ کافر
صدائے نعرهٔ تکبیر از بت خانه می آید

گریباں چاک بر سر خاک گریان و فغاں بر لب
بطفلاں مژده بادا علوی دیوانه می آید

در میخانه زدم کعبه نشانم دادند
دُرد می خواستم آبِ حیوانم دادند

نازم اندازِ بتاں را که دل و صبر و شکیب (ایماں)
همه بردند عیان و بنهانم دادند

چوں به پیری کنم اے شیخ ز رندی توبه
کارسازانِ قضا بخت جوانم دادند

دولت این ست که از خویش مرا گرفتند
نعمت این ست که از دوست نشانم دادند

شب که در بزمِ تو جز غیر کسے بار نداشت
آتش از شمع گرفتند و بجانم دادند

علویا از اثرِ نشّهٔ توفیق مپرس
در میخانه زدم کعبه نشانم دادند

یاد ایّامے که ما را عشق با اصنام بود
در نگاهم هر مسلماں کافرِ اسلام بود

تشنگاں محروم و در اغیار دورِ جام بود
ساقیِ ما آشنائے گردشِ ایّام بود

یک زماں بهرِ مریضِ چشمِ بیمارِ ترا
آبِ اشکِ دیدهٔ تر شیرهٔ بادام بود

از حدیثِ دل چه می پرسی همیں گفتن بس ست
هست زیں ناکام آخر بیشتر ناکام بود

عاشقِ غش رفته را در هوش آوردی چرا
از تکالیفِ دروں بیچاره در آرام بود

یادِ لطفِ زندگی در عشق می آید مرا
هر نفس در اضطرابِ دل بمن پیغام بود

در غمش دادند جاں لاکن نه چیزے خواستند
پخته کارانِ محبّت را نه حرصِ خام بود

چشم واکردن مرا فرجام سبب رخصت شد — بر من نادیدہ صد حیرت کہ جلوہ عام بود
ازدلِ عاشق مآلِ غم چہ پرسی اے نصیر — حاصلِ تکلیف دردِ جاں گزا آرام بود

آنکہ آمد دور از انعام خواہاں ایستاد
اے نصیر الدّین علوی قابلِ ناکام بود

(ر)

لافِ محبّت گر زنی پیدا کن اعضائے دگر — چشمے دگر، گوشے دگر، دستے دگر، پائے دگر
لیلیٰ قدے، شیریں لبے، یوسف رخے، عیسیٰ دمے — دل برد۔ اکنوں بہرِ جاں دارد تقاضائے دگر
ہمخانہ تنگ از گریہ ام، ہمسایہ داغ از نالہ ام — ہر یک لشب گوید کہ من فردا روم جائے دگر
لب در فغاں، تن در تپش، جاں در الم، دل در خلش — داریم بیروں و دروں ایذا بر ایذائے دگر

لوحِ دل از نقشِ بتاں از رنگ مانی شد نصیر
کردم دریں بیت الحرم برپا کلیسائے دگر

(ش)

جاں می رود اے نالہ زدنبالِ رواں باش — اے اشک توہم چند نفس ہمرہِ جاں باش
زخمِ جگرم آمدہ مشتاق بہ ناسور — با طرّۂ دلدار بگو مشک فشاں باش
ہر آبلہ کز سوزِ غمش در دلِ ما ہست — اے خار پئے کاوشِ آں نوکِ سناں باش
گر زہر بہ بخشی بخورم گر برود جاں — در بادہ دہی خوش بزیم گو رمضاں باش
چو دید بہ محشر اثرِ دل شدگانش — سرکش زمیانِ ہمہ علوی تو نشاں باش

(م)

زبس در یادِ زلفِ او پریشاں مو بمو گشتم — برائے جستجویش روز و شب در چار سو گشتم

بچنداں رنگ کام دل نگردید از بتش حاصل	مئے گلفام گشتم، جام گردیدم، سبو گشتم
نمی یابم سراغش گرچہ روز و شب بیتابی	صبا گشتم، غبارِ راہ گشتم، جستجو گشتم
نشد آسودہ ہرگز دیدہ ام از دیدنش ہرگز	ہوا و حرص گشتم، شوق گشتم، آرزو گشتم

زمن رنگِ شہادت بے تکلف جوشن دعلوی
درم خنجر شدم، خونابہ گردیدم، گلو گشتم

(ن)

ہرکہ زخود بہ پرسدت رخ بہ نما کہ ہمچنیں	گو کہ نہ ماہ گویدت بام برآ کہ ہمچنیں
ہرکہ بگویدت بگو قصۂ عشق چوں شود	عرضہ بدہ بہ پیش او حال مرا کہ ہمچنیں
ہرکہ پے پی طلب کند چہرۂ خود بدو نما	ہرکہ زمشک دم زند زلف کشا کہ ہمچنیں
گرز مسیح پرسدت، مردہ چگونہ زندہ کرد	بوسہ بدہ بہ پیش او بر لب ما کہ ہمچنیں

گرز نصیر پرسدت صورتِ حالِ قتلِ او
بر سرِ غیر ہم بزن تیغ جفا کہ ہمچنیں

(و)

یا مصطفےٰ یا مجتبےٰ جانم فدائے روئے تو	جبریل دربانِ سرا، رضواں گدائے کوئے تو
اے قبلۂ اربابِ دیں، اے کعبۂ اہلِ یقیں	واللیل زلفِ عنبریں، والشمس وصفِ روئے تو
ماہِ طرب شاہِ عرب مطلوبِ حق محبوبِ رب	ہر صبح رضواں می برد در باغِ جنت بوئے تو

دل بر داز حوران عین مشک از ختن عنبر چین | ابر کاکل ہندوے تو ویں نرگس جادوئے تو

روز سے نصیر بے نوا بر روضات گویدش ہا
بر تو سلام اے سیدی آمد غلام کوئے تو

کرد کافر عشوۂ ہندوے تو
برد ایماں غمزۂ جادوئے تو

قبلۂ طاعت بود ابروے تو
عین ایماں جلوۂ ہندوئے تو

چوں شوم پابند قبلہ بالیقیں
جلوہ پرداز ست ہر سو روئے تو

از تماشائے گلستان جہاں
کرد مستغنی بہار روئے تو

حج بیت اللہ نصیب دیگراں
ما و ہر لحظہ طواف کوے تو

یک نظر فرما زبس آشفتہ اند
عاشقان حلقۂ گیسوے تو

یافتہ علوی حیات جاوداں
شد قتیل خنجر ابروئے تو

(۵)

اللہ اللہ چہ نازنیں شدۂ
دشمن جاں بلائے دیں شدۂ

از خط سبز بر رخ سادہ
چہ قدر اے پری حسیں شدۂ

در زمان و مکان نمی گنجی
در دل من چناں مکیں شدۂ

دور ہستی ز چشم شوق و لے
از دل عاشقاں قریں شدۂ

ہست فضل خدا کہ ای علوی
آں چناں بود ایں چنیں شدۂ

(ی)

مرا در بزمِ دشمن یاد کردی / جفا کردی ستم ایجاد کردی

خرامیدی بہ صحنِ باغ و گل را / پشیماں کردی و برباد کردی

مرا کردی اسیرِ دامِ گیسو / بہ گلشن سرو را آزاد کردی

دلم آوارۂ کوی است او را / ز قیدِ دو جہاں آزاد کردی

بگشتی و بگفتی قم باذنی / گہے شاد و گہے ناشاد کردی

دلا واقف نہٗ از رسمِ الفت / کہ از جورِ بتاں فریاد کردی

جزاک اللہ بایں کارِ نمایاں
نصیرِ خستہ را برباد کردی

نہ ہے عہدِ خود آرائی کہ از رخ پردہ بکشائی / بمشتاقانِ شیدائی رخِ پر نور بنمائی

منم با نالہ و آہے فتادہ بر سرِ راہے / کہ براندازِ دامن گہے نگاہِ لطف فرمائی

بہ عشرت شب نشیناں را بطاعت صبح خیزاں را / جلائے دیدہ افروزی صفائے سینہ افزائی

گہے در دل فرو ریزی گہے از سینہ بگریزی / عجم را شوقِ شیرینی عرب را شورِ لیلائی

تو دادی غنچہ سازانہ تو بخشی جاں نوازانہ / بہ ترکِ چشم خوں ریزی بہ لعلِ لب مسیحائی

خدایا بہرِ پیغمبر دلِ غمگینِ علوی را
بہ عشقِ خویش بنوازی بحسنِ احمد آرائی

متفرقات

رباعی

شادم کہ زمن بر دلِ کس بارے نیست — کس کار من و کار من آزارے نیست
گر نیک شمارند وگر بد گویند — با نیک و بد ہیچ کس کارے نیست

نعتِ شریف

دلم ہست و جانم محمدؐ محمدؐ — چرا من نخوانم محمدؐ محمدؐ
خداوندِ عالم دم نزع باشد — رواں بر زبانم محمدؐ محمدؐ
محمدؐ بخلوت محمدؐ بجلوت — عیان و نہانم محمدؐ محمدؐ
یکے نام دانم الٰہی الٰہی — دگر نام دانم محمدؐ محمدؐ
عیاں بر دلم سرِ عشق ست علوی — ہمیں راز دانم محمدؐ محمدؐ

زعفراں زار

اپنی شادی کیا کرے کوئی — خوب نوشہ بنا کرے کوئی

کھل کھلا کر ہنسا کرے کوئی
اور دعوت دیا کرے کوئی

یوں کھلانے سے فائدہ کیا ہے
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

ہم کو کیا ہے کہ ہم مسلماں ہیں
رام لچھمن ہوا کرے کوئی

گوشت مچھلی کا جس میں ذکر نہیں
ایسی دعوت میں کیا کرے کوئی

پوریوں اور کچوریوں سے بھلا
پیٹ کیوں بھر لیا کرے کوئی

گوشت جب شادیوں میں بھی نہ ملے
کیا کسی کا گلا کرے کوئی

کہئے کس طرح ساگ ترکاری
پیٹ میں بھر لیا کرے کوئی

گوشت پر جب مدارِ دعوت ہے
ساگ بھاجی کو کیا کرے کوئی

جب نہیں گوشت تو مزا کیا ہے
لاکھ انڈے دیا کرے کوئی

کہہ کے انگلش ڈنر مکر جائے
ایسے ظالم کا کیا کرے کوئی

کیا نصیرؔ ایسی نظم سے حاصل
تم پڑھو اور ہنسا کرے کوئی

ترانۂ پیٹو کلب

پیٹو ہیں اگر پیٹو دعوت کو ہلا دیں گے
روٹی کا سرا لے کر مرغی سے ملا دیں گے

ہم کون ہیں ہم کیا ہیں ہم کچھ بھی نہیں لیکن
دعوت میں بلا دیکھو پھر تم کو بتا دیں گے

معدہ میں ہمارے وہ بجلی کا خزانہ ہے
پتھر بھی جو کھا جائیں اس کو بھی گلا دیں گے

روٹی ہو پراٹھا ہو مرغی ہو کہ انڈا ہو
ہر پیٹو کی آنتوں میں قل رہتے پکٹ ہی ہو
بورانی و بریانی مرغی و مطنجن کا
دعوت جسے کہتے ہیں اک رسمِ محبّت ہو
رسموں کے مخالف سب رسموں کو مٹا دیں گے

جو کچھ ہمیں مل جائے اک دھوم مچا دیں گے
مانگے گا پھر اُتنا ہی جتنا کہ کھلا دیں گے
بس صورِ جہاں پھونکا مُردوں کو جلا دیں گے
اس رسم کو پیٹو ہی دُنیا میں جلاویں گے
کیا رسم کو دعوت کی دُنیا سے مٹا دیں گے

پیٹو کا یہ مشرب ہو پیٹو کا یہ مسلک ہو
روتا بھی جو مل جائے اُس کو بھی ہنسا دیں گے

نامۂ منظوم المعروف بہ ڈنکے کی چوٹ

برائے حاصل کردن ووٹ

جتنے ہیں گریجویٹ بھائی
ہم طالبِ خیریت ہیں سب کے
خدمت میں ہو بس یہی گزارش
کہتے ہیں صاف کچھ نہیں کھوٹ
اک ووٹ ہمارے لیے ہو درکار
ہم دونوں میں تو ہم کے فدائی
یہ سوچتے ہیں کہ کچھ کریں کام

سب کو ہے سلام روستائی
ہیں کام ہمارے جن سے اٹکے
ہے کورٹ کی ممبری کی خواہش
درکار ہیں ہم کو آپ کے ووٹ
اک بہرِ نصیرِ نرم گفتار
خدمت کی ہو دل میں اب سمائی
ہو جائے ہمارا بھی بڑا نام

واقف اوصاف سے ہے جمہور — ہم کھانے کھلانے میں ہیں مشہور
ہے پیٹو کلب ہمارے دم سے — زندہ ہے نام اس کا ہم سے
پلٹن بچوں کی ہے ہمارے — کالج اسکول میں ہیں سارے
کرتے گو قوم کی ہیں خدمت — مقبول ہوئے مگر نہ طاعت
خدمت کے صلے نہ ہم نے پائے — پہلے بارہ[ـه] میں ہم نہ آئے
کنکوے کی طرح سے کٹے ہیں — ناجنسوں کی طرح سے چھٹے ہیں
اب آپ کے لطف اور کرم کا — ہم دونوں نے ڈھونڈھا ہے سہارا
بھولیں نہ جناب کریں یہ نوٹ — علوی، حامد کو دینے ہیں ووٹ
بیلٹ پیپر کے ہیں جو نمبر — سینتیس[۳۷] اور سترہ[۱۷] ہیں یکسر
یہ حامد علی کی اب دعا ہے — علوی آمین کہہ رہا ہے

جو ووٹ ہمیں دے یا الٰہی
دے اس کو تو روز مرغ و ماہی

[ـه] یعنی وائس چانسلر کی لسٹ

نظم سال گرہ

مسٹر اقبال بشیر قدوائی - آئی - سی - ایس باندہ میں سشن جج تھے ان کی لڑکی سعیدہ کی جس کا پیارا نام Bunny ہے ۶ / مارچ کو سال گرہ تھی۔ مسٹر قدوائی نے کچھ لوگوں کو چائے پر اس شام کو بلایا مندرجۂ ذیل

نظم فی البدیہہ اس موقع کے لیے لکھی گئی تھی۔ اس میں چند نام آئے ہیں
جن کی تشریح ضروری ہے۔

Minnie جس کا اصلی نام کمال مقبول ہے۔ لڑکی کا چھوٹا بھائی
ہے .. Kallun یہ قدوائی صاحب کا گوانی باورچی تھا
قدوائی صاحب کی اہلیہ انگلش لیڈی ہیں اور لڑکی کی نانی اور خالہ
اور ماں سب ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ اور یہ سب لوگ چائے پہ موجود تھے۔

Hip Hip Hurrah

ہپ ہپ ہرّا۔ ہپ ہپ ہُرّا
کہتا ہے مری بہن سعیدہ

رکّی Minnie نے ہے شور مچایا
چھ مارچ کو ہوئی ہے پیدا

سال گرہ ہے آج اُسی کی
حد ہی نہیں کچھ آج خوشی کی

بنٹی کے ہیں ٹھاٹھ نرالے
جمپر پہنے ٹونک منہ میں Mannie ڈالے

خوشی میں پھرتی ہے دانت نکالے
سب اندا نز ہیں بھولے بھالے

پیاری پیاری باتیں کر کے
جی بہلاتی ہے گھر بھر کے

لمبے لمبے بال تو دیکھو
معصومی کی چال تو دیکھو

گورے گورے گال تو دیکھو
پیار کی نظریں ڈال تو دیکھو

ماں کی آنکھ کا نور سعیدہ
باپ کے دل کا سرور سعیدہ

اچھی اچھی صورت والی
پیاری پیاری عادت والی

گوری گوری رنگت والی
چاہت والی شوکت والی

سب کی ہے وہ آنکھ کا تارا
گھر کی زینت دل کا سہارا

اماں خوش ہیں باوا خوش ہیں
نوکر خوش ہیں پرجا خوش ہیں

نانی خوش ہیں خالا خوش ہیں
ممی پیارے بھیّا خوش ہیں

کپتان بھی مسرور بہت ہیں
بیٹھے ہوئے گو دور بہت ہیں

آتشبازی چھوٹ رہی ہے
دنیا دولت لوٹ رہی ہے

آنکھ عدو کی پھوٹ رہی ہے
تھیلی پہ تھیلی ٹوٹ رہی ہے

صدقے مال و زر ہوتا ہے
تجھ پہ فدا سب گھر ہوتا ہے

پیڑ کے پتّے جھوم رہے ہیں
باغ میں سارس گھوم رہے ہیں

منھ کلیوں کا چوم رہے ہیں
گھاس روش کی ٹوم رہے ہیں

پھرتی ہے قمری بھکی بھکی
سب کو خوشی ہو سال گرہ کی

اچھا تجھکو داتا رکھے
دولت ہن بھی لٹاتا رکھے

ہردم خوشی دکھاتا رکھے
نظرِ بد سے بچاتا رکھے

لاکھوں سال گرہ ہو تیری
جُم جُم جیوے پیاری بیٹی

قطعاتِ تاریخ وفات سیّد نصیر الدین صاحب مرحوم

(۱)

یہ کون رخصت ہوا جہاں سے
کہ زخم قلبِ حزیں میں آئے

دل اُس کے لطف و کرم کے صدقے
شکن نہ جس کی جبیں میں آئے

کلام کیا تھا کلامِ شیریں
مزا نہ جو انگبیں میں آئے

حقیقتاً موت تھی بہانہ
جہاں کے تھے اُس زمیں میں آئے

علی گڑھ و فتح گڑھ کو چھوڑا
حسیں تھے قصرِ حسیں میں آئے

کرم پہ تھی رحمتِ الٰہی
بڑھے صفِ اوّلیں میں آئے

نیاز مندی کا یہ صلہ ہے
دیارِ ناز آفریں میں آئے

حفیظ تھی فکرِ سالِ رحلت
کہ منزلِ دل نشیں میں آئے

پڑھا یہ رضواں نے مصرعۂ خوش
نصیر خلدِ بریں میں آئے

۱۳ ھ ۵۷

دل فگار
حفیظ الرحمٰن خاں حفیظ مجیبی

دیگر

سراپا کرم، پیکرِ لطف و محبّت
نصیر الدّین علوی

چشم و چراغ و مفتخرِ خانداں نصیر (۲) گلزارِ خوبی و چمنِ جانِ جاں نصیر

سوہانِ روح بود غمِ ایں جہاں نصیر مرغوب شد سیاحتِ باغِ جناں نصیر

بگزشت از قیود زمان و مکاں نصیر سازد بہ لطفِ محض زقدّوسیاں نصیر

آں ساعتے کہ روح زتن رحلتے نمود محسوس کرد زندگیِ جاوداں نصیر

در دل ہوائے منصفی و دلکشا[1] نماند چوں دید قصرِ لعل جواہر نشاں نصیر

نغمہ سراست برلبِ تسنیم و کوثر ست حمدِ خدا و شاعرِ شیریں بیاں نصیر

ایں اجرِ میزبانیِ خلقِ خدا ببیں بر سفرہ ہائے خلدِ بریں میہماں نصیر

تاریخ ہجریش بہ صنائع حفیظ گفت

"نقدِ بہشت یافتہ" "فردوس خواں نصیر"

۱۳۵۷ھ ۱۳۵۷ھ

---

[1] علی گڑھ کی دلکشا نامی کوٹھی جس میں نصیر الدین مرحوم اقامت گزیں تھے۔

قطعہ از سیّد اظہار حسین صاحب جون پوری

نصیر الدّین علوی نیک طینت تھے حقیقت میں
شرافت تھی سیادت میں مروّت تھی طبیعت میں

کریم النفس ایسے کم ہوئے ہونگے زمانے میں
کریمی تھی جو عادت میں عدالت تھی سخاوت میں

علی گڑھ سے گئے کشمیر کچھ علمی ضرورت سے
ترقّی کر رہا تھا عارضہ دورِ مسافت میں

علی گڑھ کو ہوئے کشمیر سے مرحوم جب واپس
ضعیفی تھی طبیعت میں ترقّی تھی علالت میں

علی گڑھ سے جو ملک الموت ان کو لکھنؤ لائے
اجل آئی، گئے مرحوم آخر باغِ جنّت میں

وطن میں آپ کا آیا جنازہ دفن ہونے کو
نرالی شان سے وہ لے گئے تشریف تربت میں

رشید آباد کا ہر فن زبانِ حال سے کہدے
"نصیر الدین منصف آ گئے ایوانِ جنّت میں"

سنہ ۱۳۵۷ھ

قطعۂ تاریخ انتقال پُر ملال عالی جناب سید نصیر الدین صاحب علوی جونپوری منصف علی گڑھ

انیس و مونس و انس و دبیر بھی نہ رہے
رہے نہ آہ زمانے میں ڈاکٹر اقبال

عزیز ایق ریاض و شہیر بھی نہ رہے
اور ان کے بعد جناب نصیر بھی نہ رہے

لکھا شفق نے یہ سالِ وفات ہجری میں
ولا تھے حامیِ اُردو نصیر بھی نہ رہے

۱۳۵۷ھ

شفق مبارک پوری
مڈل اسکول شاہگنج - جون پور

نصیر الدین علوی آؤ آؤ

کہاں ہو کچھ پتہ اپنا بتاؤ
رخِ پر نور سے برقع ہٹاؤ

ہمیں آوازہی اپنی سناؤ
نہ ہمیارِ محبت کو رُلاؤ

نصیر الدین علوی آؤ آؤ

تمھارے ہجر میں ہو زندگی ہیچ
چمن سونا چمن کی چاندنی ہیچ

مسرت باعثِ غم ہو خوشی ہیچ
ترانہ ہیچ، شعر و شاعری ہیچ

نصیرالدین علوی آہ آہ

جو یاد آتا ہے میخانہ تمھارا
عجب دل کش ہو افسانہ تمھارا

تو رو دیتا ہے مستانہ تمھارا
رٹا کرتا ہے دیوانہ تمھارا

نصیرالدین علوی آہ آہ

نہیں ہو تم تو ہو تاریک عالم
تڑپ جاتی ہو میری جانِ پرغم

ہلالِ عید ہے ماہِ محرّم
کلیجہ تھام کر کہتا ہوں حسب دم

نصیرالدین علوی آہ آہ

شفیق جون پوری

مناجات

مندرجۂ ذیل نظم ایک کرشمہ ہو اور اس لیے اس انتخاب میں درج کی جا رہی ہو۔ اہلیہ برادر نصیرالدین مرحوم کی علمی استعداد قرآن پاک اور ضروری مسئلے مسائل، کتب میلاد شریف پڑھنے تک محدود ہے اور جہاں تک مجھے علم ہو انھوں نے شعر و شاعری کبھی نہیں کی۔ بھائی مرحوم کے انتقال کے بعد میں نے اکثر انھیں بعد نماز ظہر مصلّے پر آبدیدہ بیٹھا دیکھا اور کبھی کبھی کچھ لکھتے ہوئے بھی پایا۔ جس کی انھوں نے پردہ پوشی چاہی۔ اس لیے میں نے بھی چھان بین مناسب نہیں سمجھی۔ یہ طریقہ عرصے تک جاری رہا، ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ

بھاوج صاحبہ نے ایک نظم لکھی ہے۔ مجھے سخت تعجب ہوا اور میں نے نظم دیکھنا چاہی اور بہت اصرار کے بعد نظم دستیاب ہوئی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ نظم میں بجز ایک دو موقعے کے کوئی شاعری سقم نہ تھا۔ یہ نظم بھاوج صاحبہ کے دلی جذبات کی سچی تصویر ہے جو ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے

(ظہیر علوی)

عرض کرتی ہے یہ غم کی مبتلا
ہے بشر کے رنج و غم میں ساتھ تو
سن لے مولا تو مری فریاد کو
چاہنے والا تو میرا چل بسا
مجھ کو روتا چھوڑ کر وہ چل دیا
یا خدا جنت عنایت کر اسے
مرحمت کر تو انھیں خلدِ بریں
لوگ مجھ پر کر رہے ہیں اعتراض
فخر سے دیتی ہوں میں سب کو جواب
کیا ہوا تھا مجھ سے اے مولا قصور
تو طفیل مصطفےٰ کر دے معاف
ہے تباہی میں مری کشتی پڑی
تو کرم کر دے تو بیڑا پار ہو
کوئی دنیا میں نظر آتا نہیں
دل بہت ہے مبتلائے رنج و غم
ہر گھڑی اک فکر رہتی ہے کھڑی

سننے والا جس کا ہے تو اے خدا
ہے بھروسا سب کو تیری ذات کا
کھو کے بیٹھی ہوں میں اپنا آسرا
اور دنیا سے وہ بے بس ہی گیا
ہو گیا وہ حکم پر تیرے فدا
مغفرت کر ان کی تو روزِ جزا
بخش دے ان سے ہوئی ہو جو خطا
کون ہوتا ہے یتیموں کا بھلا
سب کا خالق اور رازق ہے خدا
ہے نہیں مطلق مجھے اس کا پتا
مجھ سے اے مولا ہوئی ہو جو خطا
ہے کھویّا تو مری اس ناؤ کا
کون ہے تیرے سوا اے کبریا
زندگی اب ہو گئی ہے بے مزا
ہوں میں بے کس کر مدد میری خدا
ہو نظر رحمت کی مجھ پر بھی ذرا

دل مرا رہتا ہے ہر دم بے قرار — کر قرار اور صبر تو مجھ کو عطا
اس مری مشکل کو حل کر دے تو ہی — اک نظر کافی ہے تیری اے خدا
کر دے پورا مدعا میرا یہ ہے — سن لے میری از برائے مصطفےٰ
کر مری اولاد کو اقبال مند — ہر گناہوں سے بچا ان کو سدا
اٹھ گیا ان پر سے سایہ باپ کا — ہے مگر سایہ ترا ان پر خدا
تو چلا ان سب کو سیدھی راہ پر — کر دے ان کو علم کی دولت عطا
بخش دے مجھ سے ہوئے ہوں جو گناہ — نام ہے غفار اے مولا ترا
ہیں عزیز و اقربا جتنے مرے — سب کو اے مولا گناہوں سے بچا
سب کو یارب شاد اور آباد رکھ — سب کی پوری کر مرادیں اے خدا
غیر کے در سے بچانا تو مجھے — اپنا ہی محتاج رکھنا اے خدا
میرے جتنے دوست اور احباب ہیں — تیری رحمت سے پھلیں پھولیں سدا
بخش دے مولا مرے ماں باپ کو — رحم کر اپنا طفیلِ مصطفےٰ
فضل سے اپنے نہ رکھنا مجھ کو دور — تجھ سوا کس کو پکاروں اے خدا
اب نہیں باقی ہے کوئی آرزو — اب مرے دل کا یہی ہے مدعا
ہو زیارت مجھ کو یثرب کی نصیب — واں پہ پہنچا دے مرے مولا ذرا
خاک چھانوں ہیں مدینے کی مدام — زندگی جب تک ہے باقی اے خدا
عشقِ احمد میں بہت ہوں بے قرار — جا کے ان کے در پہ ہو جاؤں فدا
ہند میں گھبرا گئی ہے میری جاں — پہنچوں یثرب میں وہیں ہو خاتمہ
اپنی لونڈی کی نہ لے گا گر خبر — کون پوچھے گا سوا تیرے خدا

یا خدا تو ہے حکیم اور تو کریم
دردِ دل کی ہو تمھیدا کے دوا

قطعاتِ تاریخ رحلت سید نصیر الدّین علوی نصیر نوّر اللہ قبرہٗ

(از شفیق فخر جون پوری)

القطعة العربية

نصیر الدّین علوی فاز فوزًا　　سقاہ اللہ کاسات الوصال

شفیق ارخ عام الوفاتِ　　فقل - ارضاہ عنّی ذوالجلال

۱۹۳۸ء

(فارسی)

نورِ معارف ست بریں تربتِ نصیر　　یا آشکار جلوۂ مہرِ منیر ہست

بر لوحِ قبرِ پاک نوشتم اے شفیق　　یکتائے روزگار مزارِ نصیر ہست

۱۹۳۸ء

دیگر

ز روحِ نصیر ایں سخن بشنویم　　بلند و رفیع است معیارِ حسن

سرِ قبرِ پاکش نوشتم شفیق　　مزارِ نصیر است سرشارِ حسن

۱۹۳۸ء

دیگر

اُٹھا نصیر سا غمخوار و مہرباں صد حیف　　رہا نہ میری محبت کا قدرداں صد حیف

نہ مونسے نہ انیسے نہ ہمدمے دارم　　سنے گا کون مرے غم کی داستاں صد حیف

کہاں ہے تو ادھر آ اے بہارِ باغِ وفا　　ترے فراق میں آنکھیں ہیں خوں فشاں صد حیف

جو تو نہیں تو چمن میں مرا گزر بھی نہیں　　ستائیں گے مجھے گلچین و باغباں صد حیف

ترانہ سنج تھا کل تیری بزمِ عشرت میں　　اور آج ہوں تری تربت پہ نوحہ خواں صد حیف

شفیق مصرعۂ تاریخِ عیسوی میں لکھو　　نصیر مجھکو نظر آئیں گے کہاں صد حیف

۱۹۳۸ء

دیگر

جلوۂ نور، شہِ نور کا پیارا نہ رہا　　بزمِ نوری میں نصیرِ سخن آرا نہ رہا

۱۳۵۷ھ　　۱۹۳۸ء

حامیِ بیکس و مظلوم حبیبِ آفاق　　دلِ نالاں کا مصیبت میں سہارا نہ رہا

۱۳۵۷ھ　　۱۹۳۸ء

صاحبِ فہم زہے تختِ دلِ شاہِ نصیر　　گلِ نازک فلکِ نور کا تارا نہ رہا

۱۹۳۸ء　　۱۳۵۷ھ

ہوئی تاریخ عیاں قطعہ کے ہر مصرع سے　　طبع مغموم ہیں گو نظم کا یارا نہ رہا